موت کی آواز

جاسوسی دائرہ سیریز

موت کی آواز

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

آسیبی مریض

ایک بار پھر بجلی کی لہر مغرب میں چمک کر ڈوب گئی۔گھٹا ٹوپ تاریکی نے دو طرفہ گھنے درختوں کے درمیان سے گزرنے والے مضافاتی راستے کو اور بھیانک بنا دیا تھا۔آج تو دور تک کسی جان دار کا پتا نہ تھا۔لکڑی اور گھاس کی لدی ہوئی گاڑیاں لانے والے دیہاتی بھی اس طوفانی رات میں اپنے گھروں سے نکلنے کی جرأت نہ کر سکے تھے۔

ستمبر کے مہینے میں ویسے بھی اس علاقے میں بارش کا زور بہت رہتا،لیکن آج کی رات خلافِ معمول زیادہ بھیانک اور سرد تھی۔درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان سے بھیگی بھیگی سرد ہوا کے جھونکے شائیں شائیں شور مچاتے جب گزرتے تو خاموشی کی روح لرز جاتی۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے طوفانِ بادوباراں نے اپنے تمام بند کھول دیے ہیں۔موسلا دھار بارش نے ونڈ اسکرین کے سامنے ہیڈ لائٹس کی روشنی میں تقاطر کی ایک چادر کھڑی کر دی تھی۔وہ گاڑی اتنی آہستہ چلا رہا تھا کہ سڑک کے دونوں طرف درختوں کے پتوں سے رس کر گرنے والی پانی کی موٹی موٹی بوندوں کی ٹپا ٹپ بھی اسے سنائی دے جاتی۔

ایک تو پچھلے دو تین دنوں سے مطلع ابر آلود اور مترشح ہونے کی وجہ سے ویسے ہی موسم سرد ہو گیا تھا،مگر آج کی طوفانی ہوائیں نہ جانے برف کی کون سی دنیا سے اڑ کر آ رہی تھیں کہ اسے کار میں بیٹھے ہوئے بھی کشمیر کی صبح کا احساس ہو رہا تھا۔اس نے اپنے السٹر کے کالر چڑھا لیے تھے اور ہاتھوں پر دستانے پہن کر تو وہ گھر سے نکلا تھا۔کبھی اگر ہوا کے جھونکے چند لمحوں کے لیے رک جاتے تو کار میں اچانک حبس پیدا ہو جاتا اور اس وقت اسے سائڈ کی کھڑکی کا شیشہ اتارنا پڑتا۔لیکن فوراً بعد ہی پانی کی تیز بوچھاڑ کھڑکی سے ٹکرا کر اس کے چہرے کو بھگو دیتی اور اس وقت اس بڑی کوفت ہوتی جب اس نیم پختہ کیچڑ بھرے راستے میں گاڑی کا اسٹیئرنگ ایک ہاتھ میں

Akram Allahabadi

سنبھالتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اسے جیب سے رومال نکال کر منہ پونچھنا پڑتا۔اس کے چہرے پر جھنجلاہٹ، پریشانی اور بےسکونی کے ملے جلے آچار تھے۔کار میں اس کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

اچانک کار کا پہیہ کسی گڈھے میں پڑ گیا، ادھر کیچڑ کی چھینٹیں سڑک کے دونوں کناروں تک اُڑیں اور ادھر وہ سیٹ پر سے اس قدر اچھل گیا کہ سر کار کی چھت سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

''لاحول ولاقوۃ۔'' وہ بڑبڑایا۔''طوفان ہے یا مصیبت۔''

لیکن طوفان نے اس کے غصّے کی پرواہ نہ کی۔وہ ایک عظیم لاہوتی دیو کی طرح بادلوں کی اوٹ سے گرجتا رہا اور دوطرفہ جنگل میں اِدھر اُدھر دبکے ہوئے ننھے ننھے جانوروں کے دل دہلتے رہے۔

ایک لرزا دینے والی کڑکتی گرج کے ساتھ اچانک ایک بار بجلی بڑ زور سے چمکی اور جنوب مشرق سے شمال مشرق تک خیرہ کن آسمانی روشنی کا ایک بھپکا پھیل کر نابود ہوگیا۔اس کے چہرے پر اطمینان کی پہلی لہر پیدا ہوئی۔شاید اس کی منزلِ مقصود سامنے نظر آرہی تھی۔

خوف ناک اندھیرے کی تہوں کی چیرتی ہوئی اس کی کار کی ہیڈ لائٹس اس خاردار تاروں والے احاطے پر پھیل گئیں جو 'دارالاکبر' کے بغیچے کے باہر نا ہموار زمین کو اپنی حدود میں لے کر جنگلی جانوروں کو داخلے کی ممانعت کر رہا تھا۔

اس اونچے مقام سے دور مغرب میں 'اکبرپور' کی دیہاتی آبادی میں تیز بارش سے بھیگتے کھڑے جھونپڑوں میں مدھم مدھم چراغ ٹمٹمار ہے تھے۔زندگی کے ان آثار میں اگر کوئی چیز سب سے زیادہ نمایاں تھی تو وہ 'دارالاکبر' تھا جس کی شان دار زرد عمارت ایک فرلانگ کے علاقے میں پھیلی خاموش کھڑی تھی۔دور سے صرف اس کے پورٹیکو اور اس کے دالان نما حصے میں روشنی نظر آرہی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ غلام گردش میں سر اکبر کے نوکر ابھی تک جاگ

رہے ہیں۔اوپری منزل کا وہ وسطی کمرہ جس میں سر اکبر کی آرام گاہ تھی شاید روشن تھا۔کیوں کہ اس کی کھڑکیوں میں باریک ریشمی پردوں سے چھن کر نظر آنے والی روشنی کھڑکیوں کے شیشوں کو اجلا کیے ہوئے تھی۔خاردار احاطے کا لوہے کی سلاخوں والا دروازہ زمین سے نو دس فٹ بلند تھا اس سے ملحق وہ لکڑی کی چوکی تھی جس میں کوٹھی کا محافظ موسلا دھار بارش سے بچنے کے لیے سکڑا سمٹا اندر بیٹھا تھا۔شاید اس نے انگیٹھی سلگا رکھی تھی کیوں کہ انگاروں کی چمک اس کے بھڑے ہوئے دروازے کی باریک دراز سے باہر جھانک رہی تھی۔

کار کی آواز اور کیچڑ کی بھچ بھچ سن کر وہ باہر نکل آیا، لیکن جیسے ہی اس کی نظر اس گہرے سبز رنگ کی 'پونٹیاک' پر پڑی، وہ ننگے پیر ہی دروازہ کھولنے کے لیے دوڑ پڑا۔

کار میں بیٹھے ہوئے اس نوجوان آدمی نے اس کی طرف توجہ بھی نہ دی۔اس نے گاڑی تیزی سے اندر گھما دی۔شاید کار کی آواز بارش کے اس زور کے باوجود دارلا کبر کے خدمت گزاروں نے بھی سن لی تھی۔انھوں نے پہلے ہی پائیں باغ کا دروازہ کھول دیا اور کار اس میں داخل ہو کر پورٹیکو میں آ کر رک گئی۔

چند دوڑتے قدموں کے شور کے بعد ہی ایک سیاہ لباس میں ملبوس ادھیڑ عمر کا آدمی، جس کا قد اوسط سے کچھ لمبا، چہرہ لمبوترا اور سر کے بال کھچڑی تھے اور اس کے ساتھی ایک فرشتوں کو شرما دینے والی معصومیت چہرے پر رکھنے والی خوب صورت لڑکی پورٹیکو کی سیڑھیوں تک آ گئے۔چار خادم اور بھی غلام گردش کے دروازوں سے نکلے، لیکن وہ کار کے نزدیک سیڑھیوں سے کچھ ہٹ کر ہی ادب سے سر جھکائے کھڑے ہو گئے۔

وہ کار کا دروازہ کھول کر اسے بند کیے بغیر ہی سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگا۔اسی وقت پورٹیکو کی دوسری سمت سے ایک سفید لباس والا تن درست سا آدمی آ پہنچا۔اس نے کار سے اترنے والے کو دور سے ہی فوجی انداز میں سلام کیا، لیکن شاید اس نے دیکھا نہیں۔سفید کوٹ پتلون والا ڈرائیور معلوم ہوتا تھا، وہ کار کا دروازہ بند کرتا ہوا اندر بیٹھ گیا اور اسے بیک کر

کے گیرج کی طرف لے جانے لگا۔

''بھائی جان۔'' وہ لڑکی دو سیڑھیاں اوراتر کر دوڑتی اس کے قریب آ گئی اور اس سے لپٹ کر بے اختیار سسکیاں لینے لگی۔ ادھیڑ عمر کا آدمی مؤدب سر جھکائے اپنی جگہ کھڑا رہا۔

''کیوں؟ کک.. کیا ہوا؟'' نوجوان نووارد نے پیار سے لڑکی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کسی نامعلوم خوف سے متاثر لہجے میں پوچھا۔ لڑکی اب بھی روتی رہی۔

''مانی صاحب؟'' نووارد جواب طلب نگاہوں سے ادھیڑ عمر آدمی کی طرف دیکھا۔

''جی ہاں، آپ کا ہی انتظار کر رہے ہیں۔'' وہ کھچڑی بالوں والا ادب سے بولا۔

''اوہ، تو پھر رونے کی کیا بات ہے، غزالہ؟'' نووارد نے اپنی بہن کے نرم چمک دار نیم سنہرے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھاتے ہوئے بولا۔

''نہ جانے کیسی کیسی باتیں کر رہے ہیں وہ۔'' لڑکی کا لہجہ اب بھی ڈرا ہوا تھا۔

''پگلی، اس طرح دل چھوٹا نہیں کرتے۔'' وہ اسے چمکارتا ہوا اپنے ساتھ لے چلا۔ لیکن ادھیڑ عمر مانی، تیز تیز قدم اٹھاتا آگے ہو لیا۔ اس نے داخلی ہال کا تقریباً ۲۰ فٹ اونچا بڑا دروازہ کھول دیا اور استقبالیہ انداز میں آگے کھڑا ہو گیا۔ وہ جب اندر داخل ہوئے تو یہاں دوسرے نوکر بھی سر جھکائے خاموش کھڑے تھے۔ وہ سب فکر و غم ڈوبے نظر آ رہے تھے، جیسے انھیں سر اکبر کی علالت کا غم انے کے بیٹے سے بھی زیادہ ہو رہا ہو۔ مگر نووارد نے ان کی طرف دیکھا بھی نہیں، وہ اپنی بہن کو اپنے بازو کا سہارا دیے، چہرے پر تردد کے آثار لیے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ اس کا اندازِ رفتار شہزادوں جیسا تھا۔

''آخر بات کیا ہے، مانی صاحب؟ ٹرنک کال پر تو آپ نے کہا تھا کہ حالت نازک ہے۔'' چلتے چلتے نووارد نے ادھیڑ عمر آدمی سے اس کی طرف دیکھے بغیر سوال کیا۔

''چھوٹے صاحب، خود ہی ملاحظہ فرمالیں، شاید میں الفاظ میں نہ سمجھا سکوں۔'' اب پیچھے چلتے ہوئے اس ادھیڑ عمر آدمی نے جواب دیا۔

Akram Allahabadi

''ڈاکٹروں کو بلایا گیا؟''نووارد نے دوسرا سوال کیا۔

''گزشتہ ایک ہفتے میں ایک درجن ڈاکٹر بدلے جا چکے ہیں۔''

''تو آپ نے پہلے ہی مجھے خبر کیوں نہیں بھیجی؟''

''سرا کبر نے خود ہی منع فرمایا تھا اور آج بھی ان کی ہی اجازت سے آپ کو اطلاع دی گئی۔''

''ڈاکٹروں کا کیا خیال ہے؟''نورارد نے پوچھا۔

''ان میں سے بعض اپنے اسٹیتھسکوپ چھوڑ کر بھاگے ہیں اور بعض کے کوٹوں کے کالر پھٹے ہوئے تھے۔''مانی نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا۔

''کیا مطلب؟''نوجوان نووارد چلتے چلتے رک کر پلٹ پڑا۔

''گستاخی معاف،ڈاکٹروں کو شبہ ہے کہ نصیب دشمناں سرا کبر کے دماغ پر کچھ...''

''بکواس ہے۔''نووارد بگڑ پڑا۔''اس عمر میں بی وہ نوجوانوں سے زیادہ صحیح دماغ رکھتے ہیں۔''

''خادم ڈاکٹروں کا خیال عرض کر رہا تھا۔''مانی نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''تم بتاؤ،غزالہ۔کیا ہوا ہے ابا حضور کو؟''وہ اپنی بہن سے پوچھنے لگا۔

''میری بھی سمجھ میں نہیں آ رہا، بھائی جان۔ایک ہفتے سے میں ہر وقت انھیں پریشان اور کھویا کھویا دیکھ رہی ہوں،چہرہ اترتا چلا جا رہا ہے اور کل سے تو ان کا دماغی توازن ٹھیک نظر نہیں آ رہا۔''

''آخر کرتے کیا ہیں وہ؟''

''بس یہی رٹتے رہتے ہیں کہ میرا وقت آ گیا ہے،میرا وقت آ گیا ہے۔''غزالہ نے جواب دیا۔

''ڈاکٹر کہتے تھے کوئی صدمہ یا کوئی وہم ان کے اماغ پر مسلط ہو گیا ہے۔''مانی پھر

پیچھے سے بولا۔

''یا شاید ڈر گئے ہیں۔''غزالہ نے اس کا باقی جملہ پورا کر دیا۔

''ڈر...؟اور سرا کبر...؟ نووارد کے منہ سے فخریہ الفاظ نکلے۔''جس شخص نے بندوق کے کندے سے تیندوے کا سر توڑ دیا ہو، وہ کس چیز سے ڈرے گا۔''

شاید مانی نے اس جملے کا جواب دینا مناسب نہ جانا، وہ خاموش ہی رہا۔اب وہ ۸۰ فٹ لمبے اور اور چالیک فٹ اونچی چھت رکھنے والے کورٹ ہال کے دوسرے دروازے پر پہنچ گئے تھے۔

سامنے کا دودھیا شیشوں والا بلند دروازہ آپ سے آپ کھل گیا اور ایک سفید کپڑوں والی خادمہ باہر کی طرف جھانک کر پیچھے ہٹ گئی۔گھبراہٹ میں وہ نووارد کو دونوں ہاتھوں سے سلام کر رہی تھی۔

''اس وقت کیا حال ہے؟''نووارد نے خادمہ سے دریافت کیا۔

''شاید آرام میں ہیں۔''

''تو پھر اوپر کی آرام گاہ میں روشنی کیسی ہے؟''نووارد نے پلٹ کر مانی کی طرف دیکھا۔

''سرا کبر کے حکم وے وہ تمام رات روشن رکھی جاتی ہے۔''مانی نے جواب دیا۔

نووارد نے اس کے بعد اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔وہ آگے بڑھ کر اس بند دروازے پر پہنچ گیا جس کے دونوں سمت دو دیوار گیر خوب صورت لیمپ روشن تھے۔

اس نے آہستہ آہستہ دروازے پر دستک دینی شروع کی۔

''اب کون ہے،الوکا پٹھا۔مجھے کوئی ڈاکٹر نہیں چاہیے۔''اندر سرا کبر کی کڑکتی آواز سنائی دی۔وہ کافی غصے میں معلوم ہو رہے تھے، ورنہ ان کے منہ سے اس قسم کے الفاظ ان کے لڑکے کے لیے غیر متوقع تھے۔

Akram Allahabadi

''میں ہوں، ابا حضور، آپ کا شہزاد۔'' نو وارد نے مؤدب لہجے میں کہا۔

''اوہ، تم بیٹے۔ آؤ آؤ، اندر آجاؤ۔'' سراکبر کا لہجہ اِک دم بدل گیا اور نو وارد آہستہ سے دروازہ کھول کر ریشمی پردے ہٹاتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔ غزالہ ڈری ڈری سی اس کے پیچھے تھی۔ مانی باہر ہی رک گیا تھا۔

''آؤ، غزالہ بیٹے، تم بھی آؤ۔'' سراکبر نے بیٹی کو بھی چمکارا۔ فرطِ محبت سے غزالہ کی گھنیری پلکیں پھر نم ناک ہوگئیں۔ وہ نازک بدن ہوتے ہوئے نازک دل بھی تھی۔

سراکبر ایک شان دار مسہری پر نیم دراز تھے۔ مسہری کے اٹھے ہوئے پردوں میں جھالر کے ساتھ سچی سنہری کے پھندنے لٹک رہے تھے۔ دائیں طرف تپائی پر پانی ایک گلاس میں ڈھکا رکھا ہوا تھا اور سرہانے کی کھڑکی سے باہر طوفانی رات میں دارالاکبر کا عقبی ویران میدان بجلی کی چمک کے ساتھ دور تک پھیلا نظر آرہا تھا۔ وہ دونوں باپ کے دونوں طرف بالیں پر بیٹھ گئے۔

سراکبر نے دونوں کے سر اپنے سینے سے لگا لیے۔

''یہی تمنا تھی میں تم دونوں کو اس وقت اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتا تھا۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولے، لیکن ان کا یہ اندازِ کلام شہزاد کے لیے حیران کن تھا۔ بظاہر تو چھ فٹ ایک انچ کی یہ گرانڈیل اور رعب دار شخصیت صحت مند ہی نظر آرہی تھی اور ابھی ابھی اس نے باپ کے دو مختلف لہجے بھی سنے تھے۔ ایک وہ کڑکی آواز جس نے اسے، الّو کا پٹھا کہا تھا اور دوسری یہ مری مری سی آواز۔ اور جب سراکبر نے اپنے شفقتِ پدری سے متاثر جذبات میں اپنے دونوں بچوں کو چھاتی سے لگا کر زور سے بھینچا تو شہزاد اپنے شہ زور باپ کی مضبوط کلائیوں کی اسی پرانی طاقت کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا، جس نے اصطبل کے ایک بگڑے ہوئے گھوڑے کا دماغ ایک ہی گھونسے میں صحیح کر دیا تھا۔

سراکبر کے چہرے پر جو ایک وقتی اضمحلال طاری نظر آرہا تھا، اس سے قطع نظر ان

کے تن وتوش کا آدمی کسی چیز سے ڈر جائے یا صدمے کا اس طرح شکار ہو، قابلِ یقین ہی نہ تھا۔ ویسے کسی صدمے کا تو امکان ہی نہ تھا۔ ان کی بیگم کو گزرے ہوئے دس سال کا زمانہ بیت چکا تھا۔ ان کے دونوں بچے ہنستے بولتے تن درست ان کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ جاگیر میں بتیس گاؤں کی گراں قدر آمدنی تھی۔ حیثیت میں وہ کسی نواب سے کم نہ تھے۔ عزت ان کے سر کے خطاب سے ہی ظاہر تھی اور دوسرے کسی قسم کے حالات ایسے نہ تھے جو انھیں کوئی صدمہ پہنچا سکتے۔ اب رہا خلل دماغ کا مسئلہ تو اس کی نہ کوئی معقول وجہ تھی اور نہ ہی وہ اس وقت کے اندازِ گفتگو سے ذرا بھی بہکے نظر آ رہے تھے۔

''آخر آپ کو ہوا کیا ہے، ابا حضور؟''

''مجھے؟'' وہ چونک کر بولے اور ان دونوں نے سر اکبر کے چہرے اور ان کی آنکھوں میں اس سوال کے ساتھ ہی ایک غیر معمولی تغیر محسوس کیا۔ جلال و تمکنت سے بھرپور چمکتی آنکھوں میں یکا یک ویرانی جھانکنے لگی اور چہرے کی رنگت تبدیل سی ہو گئی۔ اپنے بچوں کے گردان کے بازوؤں کی گرفت اس سوال کے ساتھ ہی ڈھیلی پڑ گئی۔

''میرا وقت آ گیا ہے، بیٹے۔ میری موت۔'' وہ کہتے کہتے کسی خیال سے لرز کر رک گئے۔

''ایسی باتیں نہ کیجیے، ابا حضور۔'' غزالہ نے بے چین ہو کر کہا۔

''نہیں، میرے بچو، مجھے تمھیں اندھیرے میں نہ رکھنا چاہیے۔ مم... میں...'' کہتے کہتے وہ پھر رک گئے اور ویران ویران نگاہوں سے بند کھڑکی کے اس پار طوفانی رات کی بھیانک سیاہی کے خلاء کو دیکھنے لگے۔ اچانک باہر بجلی زور سے کڑکی اور بادلوں کی گرج نے کائنات کو دہلا دیا۔ اس وقت حیرت انگیز طور پر شہزاد نے ایک طاقت ور بیمار باپ کو کسی معصوم بچے کی طرح خوف سے لرزتے دیکھا۔

''نہیں، نہیں، میں مرنا نہیں چاہتا... میں مرنا نہیں چاہتا۔'' وہ پاگلوں کی طرح

بڑبڑائے۔اس پر غزالہ کے چہرے کا رنگ اور پھیکا پڑ گیا۔

''خدا نہ کرے، آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟''شہزاد نے بھی ان کی اس گھبرائی ہوئی کیفیت سے متاثر ہو کر کہا۔

''تم نہیں جانتے، کوئی نہیں جانتا، اور نہ کوئی مانے گا، لیکن میں ایک مدت سے مسلسل وہ پراسرار آواز سن رہا ہوں۔وہ خوف ناک آواز جو نہ جانے کہاں سے آتی ہے۔وہ ضرور میری موت کی آواز ہے۔''

''آخر کیا آواز ہے وہ؟''شہزاد نے بے چین ہو کر پوچھا۔

''تم مر جاؤ گے۔''سرا کبر پھیلی ہوئی آنکھوں سے خلاء میں گھور کر بڑبڑائے۔''تم مر جاؤ گے...تم مر جاؤ گے...تم مر جاؤ گے...''سرا کبر کی آنکھیں خوف سے اور پھیلتی گئیں اور آواز بتدریج مدھم ہوتی گئی۔یہاں تک کہ ان کی ڈوبتی آواز کے ساتھ ان کا سر ایک طرف لڑھک گیا۔

''ابا حضور۔''غزالہ کی دردناک چیخ گونجی اور شہزاد کا ہاتھ ان کی نبض پر چلا گیا۔

''ڈرو نہیں، غزالہ۔شاید بے ہوش ہو گئے ہیں۔''شہزاد نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ساتھ ہی وہ بلند آواز میں مانی کو پکارنے لگا۔وہ باہر ہی موجود تھا۔فوراً ہی آ پہنچا۔

''ڈاکٹر؟''شہزاد نے جلدی سے کہا۔

''ابھی بلاتا ہوں۔''مانی پلٹ کر برق رفتاری سے باہر نکل گیا۔

ڈاکٹر کے آنے میں اس لیے دیر نہیں لگی کہ وہ پچھلے دو تین دنوں سے ایسے اچانک بلاوے کا عادہ ہو گیا تھا۔سرا کبر نے ہی اسے اکبر پور میں پریکٹس کے لیے بلوایا تھا اور رہائشی مکان اور ڈسپنسری وغیرہ کی بلا معاوضہ رعایتیں بھی دی تھیں۔ان احسانات کی وجہ سے وہ آدھی رات کو بھی ان کے بلاوے پر کوئی عذر نہیں کر سکتا تھا۔

شہزاد نے دیکھا وہ ایک بتیس چونتیس سال کا تن درست اور ہنس مکھ آدمی تھا۔اس کا

چہرہ بالکل سادہ اور معصوم نظر آتا تھا۔لیکن وہ سرا کبر کے کمرے کے دروازے پر ہی رک گیا۔ شہزاد یہیں ٹہل ٹہل کر اس کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔

''آپ آگئے، یہ بہت اچھا ہوا۔'' وہ شہزاد کو دیکھ کر بولا۔''سرا کبر کسی کے سنبھالے نہیں سنبھلتے۔کل غصے میں میرا اسٹیتھسکوپ توڑ ڈالا تھا۔وہ سمجھتے ہیں ڈاکٹر وغیرہ ان کے لیے فضول ہیں۔'' ڈاکٹر نے شہزاد سے کہنا شروع کیا۔اس وقت غزالہ بھی انکے پاس آ کھڑی ہوئی۔

''اس وقت وہ بے ہوش معلوم ہوتے ہیں۔لیکن آخر انھیں ہوا کیا ہے، ڈاکٹر؟'' شہزاد نے باپ کی محبت سے بے چین لہجے میں پوچھا۔

''سوائے چند جملوں کے باقی تمام باتیں وہ درست کرتے ہیں، اس لیے کم از کم میں تو اسے خللِ دماغ بھی نہیں قرار دے سکتا۔جسمانی حیثیت سے وہ بالکل تن درست ہیں۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''میں نے انھیں گھوڑے پر بیٹھ کر شیروں کا شکار کرتے دیکھا ہے، ڈاکٹر۔وہ یقیناً کسی چیز سے ڈر بھی نہیں سکتے۔''شہزاد بولا۔

''نفسیاتی طور پر طاقتور اور جوشیلے آدمی بھی بعض اوقات بہت نازک مزاج ثابت ہوتے ہیں۔'' ڈاکٹر نے سمجھایا۔''ہوسکتا ہے کوئی خواب یا کوئی ان ہونی سی بات ان کے ذہن میں بیٹھ گئی ہو۔''

''میں نہیں مانوں گا۔ہر بات کی کوئی نہ کوئی بنیاد ضرور ہونی چاہیے۔''شہزاد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''ان سے ہی معلوم کرنے کی کوشش کیجیے۔شاید وہ آپ کو کچھ بتا سکیں۔'' یہ کہتا ہوا ڈاکٹر اس کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔سرا کبر صرف بے ہوش تھے۔ایک مقوی القلب انجیکشن دیتے ہوئے ڈاکٹر نے اپنا بیگ بند کرلیا۔

Akram Allahabadi

''بے ہوشی کا یہ دورہ نیا نہیں ہے۔میرا خیال ہے پچھلے ایک ہفتے میں یہ ایک درجن سے زائد بار بے ہوش ہو چکے ہیں۔اور یہ علامت، بے ہوشی کے بعد پسینہ، یہ کسی شدید ذہنی خلفشار کا نتیجہ ہے، کیوں کہ نہ انھیں بلڈ پریشر کی شکایت ہے نہ اختلاج کی۔''

ڈاکٹر نے بتایا سرا کبر تھوڑی دیر بعد ہی ہوش میں آ گئے اور میں آتے وقت ان کی بڑی بڑی بارعب آنکھوں میں پھر وہی جلال نظر آ رہا تھا جو ان کی شخصیت کا خاصہ تھا۔مگر ڈاکٹر پر نظر پڑتے ہی ان کا موڈ بگڑ گیا۔

''آپ...؟ آپ پھر آئے یہاں...؟''

''سرا کبر...'' ڈاکٹر نے کچھ کہنا چاہا۔

''میں آپ لوگوں کی شکلیں نہیں دیکھنا چاہتا۔آپ لوگ پاگل سمجھتے ہیں مجھے۔خدا جانے کن احمقوں نے آپ لوگوں کو ڈاکٹری کی سندیں دے دی ہیں۔'' سرا کبر مسہری کے تکیے سے ٹک کر بیٹھ گئے اور ڈاکٹر پر بگڑنے لگے۔

''ابا حضور، انھیں میں نے بلوایا تھا۔'' شہزاد نے انھیں نرم کرنا چاہا۔

''تم...تم بھی ان کے خبط میں مبتلا ہو گئے ہو؟'' سرا کبر نے بیٹے سے سوال کیا۔

''یہ بات نہیں، آپ دراصل بے ہوش ہو گئے تھے۔''

''میں...؟ تم بکتے ہو، کیا تم لوگوں نے کم زور سمجھ رکھا ہے...مجھے؟''

''میں... میں ایسے چار ڈاکٹروں کو ایک ہاتھ سے اٹھا کر ڈونگر کا پہاڑ چڑھ سکتا ہوں۔'' وہ فخر و جلال کے جذبات میں ڈوب کر بولے۔ان کا اشارہ اس پہاڑ کی طرف تھا جو پچھلی کھڑکی کے شیشوں سے عقبی میدان کے اس پار بجلی کی چمک میں دھندلا دھندلا سا نظر آ رہا تھا۔

''مجھے بہت افسوس ہے، ڈاکٹر۔آپ کو اس طوفانی رات میں یہاں تک آنا پڑا۔'' شہزاد نے پر اخلاق انداز میں ڈاکٹر سے معذرت کی۔

Akram Allahabadi

''کوئی بات نہیں، یہ تو میرا فرض تھا اور پھر سرا کبر تو میرے محسن ہیں۔''

''اور آپ اپنے محسن کو پاگل قرار دے رہے ہیں۔ دور ہو جایئے، ورنہ گولی مار دوں گا آپ کو۔'' سرا کبر نے ان کی گفتگو سن کر اور مشتعل ہوتے ہوئے کہا۔

''غزالہ، تم ابا حضور کو سنبھالو، میں انھیں چھوڑ کر آتا ہوں۔'' شہزاد نے بہن سے کہا۔

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔ میں چلا جاؤں گا۔'' ڈاکٹر اسے روکتے ہوئے بولا۔

''آپ چلیے تو۔'' شہزاد نے ڈاکٹر کی پشت پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔

''تم مجھے سنبھالو گی، لڑکی۔ سبحان اللہ، ایک فٹ کی ننھی سی جان تھیں جب سے تو میں سنبھال رہا ہوں تمھیں، اور تم مجھے سنبھالو گی۔'' سرا کبر اپنی لڑکی کو گھور کر بولے۔

''نہیں، ابا حضور۔ آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔''

''میں... اور غلط سمجھ رہا ہوں۔ یعنی کہ اب تم مجھ سے زیادہ صحیح سمجھنے لگی ہو۔''

''بھائی جان کا مطلب آپ کی خدمت کرنے کے لیے مجھے چھوڑنا تھا۔ سمبھالنے کے معنی خدمت کرنا بھی تو ہوتا ہے۔'' وہ گھبرا اٹھی۔

''واہ واہ، واہ واہ۔ اب تم کہو گی، یاد کرو بچے اور معنی۔'' سرا کبر اک دم ہنس پڑے اور بیٹی کا مرجھایا دل باپ کو ہنستا دیکھ کر خوشی سے کھل گیا۔

''شکر ہے خدا کا، آپ تو اب بالکل اچھے نظر آ رہے ہو۔''

''تو میں برا کب تھا؟''

''جی یہ مطلب نہیں میرا، یعنی کہ بالکل تن درست۔''

غزالہ نے مصلحتاً ماقبل از بے ہوشی کی ان کی کیفیت کی یاد انھیں دلانا مناسب نہ سمجھ کر بات بنائی۔

''خیر خیر، اب جا کر آرام کرو۔'' سرا کبر نے اس کی پیٹھ ٹھونک کر کہا۔ اچانک ہوش

میں آنے کے بعد بچوں کو سامنے دیکھ کر وقتی طور پر وہ دوسری تمام چیزیں بھول گئے تھے۔

''ڈاکٹر، میں آپ کو اس طوفانی رات واپس نہ جانے دوں گا۔'' سراکبر کی خواب گاہ کے باہر شہزاد ڈاکٹر رشید سے کہہ رہا تھا۔

''آپ میری فکر نہ کریں، میں چلا جاؤں گا۔'' ڈاکٹر اسے سمجھانے لگا۔

''جی نہیں، اور پھر ممکن ہے ابا حضور پر پھر کوئی دورہ پڑے۔'' شہزاد نے کہا۔

''آپ اسے دورہ نہ سمجھیے، ضرور کوئی شدید قسم کا وہم ان کے دماغ پر سوار ہے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''بہرحال جو کچھ بھی ہو، میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آج رات آپ یہیں قیام کریں، میرا دل ڈر رہا ہے۔ میں نے ان کی آنکھوں میں جو یاس انگیز ویرانی دیکھی ہے اس سے میری روح تک لرز گئی ہے۔'' شہزاد نے کہا۔

''بہتر ہے، جیسی آپ کی مرضی۔'' ڈاکٹر نے مجبور ہو کر کہا۔

اتنے میں غزالہ پہنچ گئی۔ ''اس وقت تو ابی بالکل ٹھیک باتیں کر رہے ہیں، بھائی جان۔'' اس نے کسی قدر مسرور لہجے میں کہا۔

''خدا کرے وہ بالکل ٹھیک ہی رہیں۔'' شہزاد سرد سانس کھینچ کر بولا۔ اور پھر کچھ یاد کر کے وہ اس سے مخاطب ہو گیا۔ ''غزالی، ڈالٹر صاحب رات یہیں قیام کریں گے، میں نے انھیں روک لیا ہے۔ تم ان کے آرام کا انتظام کر دو ذرا۔ میں نے تو ابھی تک کپڑے بھی نہیں بدلے ہیں۔'' وہ اپنے سفری لباس کے طرف دیکھ کر اس سے بولا۔

''یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔'' وہ خوش اخلاقی سے بولی۔ ''ابھی لیجیے۔''

''اور ہاں، مانی صاحب۔'' شہزاد اپنے باپ کے ادھیڑ عمر سکریٹری سے مخاطب ہوا۔ وہ اٹینشن ہو گیا۔ ''ڈاکٹر صاحب کی کار پورٹیکو میں ہو گی، اسے گیرج میں رکھوا دیجیے۔''

''ضرور۔'' وہ سر جھکا کر بولا اور ہال کی طرف چلا گیا۔ شہزاد ڈاکٹر سے اجازت لے

کرلباس تبدیل کرنے چل دیا اور ڈاکٹر رشید اور غزالہ تنہا رہ گئے۔ڈاکٹر اس کے سامنے کچھ جھینپا جھینپا سا نظر آرہا تھا۔وہ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر مسکرادی۔

''آپ اوپری منزل پر قیام پسند کریں گے یا نیچے۔''غزالہ نے اس سے پوچھا۔

''میں تکلفات کا عادی نہیں ہوں۔آپ جہاں کہیں پڑا رہوں گا۔''وہ سادگی سے بولا۔

''بڑے منکسر المزاج ہیں آپ۔''وہ ہنس پڑی۔''بہر حال نچلی منزل اس لیے بھی درست رہے کہ آپ ہم لوگوں کی طرح ابّی سے قریب رہیں گے۔''

''آپ کہیں تو میں ان کی خواب گاہ کے دروازے پر ہی سوجاؤں۔''ڈاکٹر مسکرایا۔

''شرمندہ کرتے ہیں،آپ تو۔''وہ شرما سی گئی۔

اور پہلی بار نوجوان ڈاکٹر نے اس کے حسین چہرے کی اس جاں نواز کیفیت کو چور نظروں سے دیکھا۔وہ اس کے لیے مجبور تھا، کیوں کہ انسان تھا اور اپنے سامنے کھڑے ہوئے اس حسین ترین وجود سے کسی نہ کسی طرح اس کا متاثر ہوجانا عین فطری تھا۔غزالہ نے بھی اس کی طرف دیکھا اور نگاہوں کا تصادم ہوتے ہی ڈاکٹر جھینپ گیا اور شرما کر آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

بھیانک موت

موسم برشگال کی اس طوفانی رات کے سناٹے اور گہرے ہو گئے تھے، وہ سناٹے جو پرشور ہواؤں کے سنسناتے ہوئے جھونکوں کے گزر جانے کے بعد وقفے وقفے سے پیدا ہوتے ہیں۔ نیلگوں آسمان کو گہرا سیاہ بنا دینے والے گھنے بادل پھٹتے نظر نہیں آ رہے تھے اور بجلی نے تو جیسے تمام رات چمکتے رہنے کا ٹھیکہ لے لیا تھا۔ اس خوف ناک گھن گرج میں اکبر پور کے اطراف کے جنگلوں کے درندوں کی آوازیں بھی مہین ہو کر رہ گئی تھیں۔ پرسکون راتوں میں جب ان جنگلوں میں شیر ڈکارتے تو ۱۲ کوس ان کی آوازیں سنی جاتیں۔ مگر آج یا تو وہ بادلوں کے ڈر سے چپ تھے یا طوفان کی گرج نے ان کی ڈکاروں کو ہضم کر لیا تھا۔

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی اور بارش کا تقاطر اب بھی زوروں پر تھا۔ خاردار احاطے کا دربان بھی اپنی لکڑی کی چوکی میں سکڑ کر سو گیا تھا اور دارالاکبر پر تو موت کا بھیانک سناٹا مسلط تھا۔ پورٹیکو اور دالان کی روشنیاں بھی بجھائی جا چکی تھیں۔ صرف سر اکبر کی اوپری منزل والی خواب گاہ اب تک روشن تھی۔

غلام گردش میں ملازمین کے کمروں سے خراٹوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ڈاکٹر کو شہزاد کی خوب گاہ سے ملحق کمرہ قیام کے لیے دیا گیا تھا اور دوسری سمت غزالی کی خواب گاہ تھی جس میں اس کی خادمہ سلیمہ بھی فرش پر سوئی ہوئی تھی، کیوں کہ ایسی طوفانی راتوں میں غزالی کو تنہا سوتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔

اچانک ایک بھیانک چیخ نے دارالاکبر کی سوئی ہوئی فضا کو لرزا دیا۔ سب سے پہلے شہزاد کے کمرے کا دروازہ زور سے کھلا اور وہ گھبرایا ہوا باہر نکل آیا۔ اسی کے ساتھ ہی ڈاکٹر رشید بھی شب خوابی کا لباس پہنے ہوئے اپنے کمرے سے نکل آیا۔

Akram Allahabadi

انھیں مانی، سرا کبر کی خواب گاہ کی طرف دوڑتا نظر آیا اور وہ بھی اس کے پیچھے دوڑ آرے۔ دوسر ملازم بھی اس شور سے بیدار ہوکر آنکھیں ملتے ہوئے آپہنچے اور غزالہ تو اپنے کمرے سے نکلتے ہی حیران حیران سی چاروں طرف دیکھنے لگی۔

''کیا بات ہوئی؟'' اس نے ایک ملازم سے پوچھا۔

''ابھی ابھی بڑے حضور کے کمرے کی طرف سے کوئی چیخ سنائی دی تھی۔'' ایک بوڑھا نوکر بولا۔ ''مانی صاحب، چھوٹے حضور اور ڈاکٹر صاحب دوڑ کر گئے ہیں۔''

''ہائے اللہ۔'' حیرت وخوف سے لرزتی آواز میں یہ کہتی ہوئی وہ بھی دوڑ پڑی۔ وہ جب گھبرائی ہوئی سرا کبر کی خواب گاہ کے کھلے دروازے سے ٹکراتی اندر داخل ہوئی تو ڈاکٹر اور شہزاد سرا کبر کی لاش پر جھکے ہوئے تھے۔

''کیا ہوا...؟ کیا ہوا... بھائی جان؟'' وہ دور سے ہی چیخی اور جواب میں جب خموشی سے شہزاد نے رخ پھیر کر اس کی طرف دیکھا تو شہزاد کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دو موٹی موٹی بوندیں ڈھلک کر اس کے رخسار پر چمک رہی تھیں۔

''ابّی۔'' وہ دہاڑ مار کر باپ کی لاش پر جا گری اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''صبر کرو، غزالی۔ وہ اب واپس نہیں آسکتے۔'' شہزاد کے حلق سے لرزتی آواز نکلی، لیکن وہ خود کو بھی نہ سنبھال سکا اور سسکیاں بھرنے لگا۔

''اس سے کوئی فائدہ نہیں، چھوٹے صاحب۔ آپ تو سمجھ دار آدمی ہیں۔'' ڈاکٹر نے اسے بازوؤں سے سہارا دے کر سمجھایا۔ ان سے کچھ دوری پر مانی دونوں ہاتھ باندھ کر سر جھکائے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ کسی قسم کے جذبات سے خالی تھا۔ اس نے رسمی اظہارِ غم کیا نہ تعزیت، صرف خاموش کھڑا رہا۔ دروازے کے قریب سرا کبر کے دوسرے ملازم سر جھکائے پرا جمائے کھڑے تھے۔ ان میں سے بعض تو شاید تھوک کے آنسو لگائے سسکیاں لے رہے تھے اور بعض کے چہروں سے واقعی اظہارِ غم ہو رہا تھا، مگر وہ بھی خاموش تھے۔

Akram Allahabadi

''یہ سب کچھ کیسے ہوا؟'' ڈاکٹر بڑبڑایا۔

شہزاد جو گم سم کھڑا باپ کے ہمیشہ کے لیے تاثرات سے خالی ہو جانے والے بھرے بھرے چہرے کی طرف ایک ٹک دیکھ رہا تھا، چونک پڑا۔ سر اکبر کے بدن پر کوئی معمولی سی خراش بھی نہ تھی۔

''میں نے صرف ایک چیخ کی آواز سنی تھی۔'' شہزاد کھوئے کھوئے انداز میں بڑبڑایا۔

''میں نے زندگی میں ایسی حیرت ناک موت کبھی نہیں دیکھی۔'' ڈاکٹر نے رومال سے اپنی ناک صاف کرتے ہوئے کہا۔ شاید رات کے سفر کی کنکی سے اسے زکام ہو گیا تھا۔ وہ سب سر اکبر کی لاش دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھیں بند اور ہاتھ پیر ڈھیلے تھے البتہ ناک کے نتھنے کسی قدر پھولے نظر آ رہے تھے۔ چہرے پر خفیف سی سوجن تھی اور کوئی آثار ایسے نہ تھے جن سے ان کی موت کی وجوہ پر کوئی روشنی پڑتی۔ یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی کہ وہ چیخے کیوں تھے اور ان کی موت کس طرح واقع ہوئی تھی۔ اس چیخ کے وقت ان کے کمرے میں تو کوئی بھی نہ تھا۔ کمرہ آٹو میٹک لاک کے ذریعے بند تھا اور اس کے روشن دانوں کے سوا تمام کھڑکیاں بھی بند تھیں۔ کمرے میں روشنی بدستور ہو رہی تھی۔ ان کی خواب گاہ میں سب سے پہلے مانی داخل ہوا تھا اور اس کے فوراً بعد ہی شہزاد اور ڈاکٹر رشید۔ دروازے کے آٹو میٹک لاک کی ایک چابی خود سر اکبر کے سرہانے رہتی تھی اور دوسری مانی کے پاس۔ کیوں کہ جب سے وہ اس نچلی خواب گاہ میں آئے تھے، مانی ہی راتوں کو بھی ان کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ انھیں نچلی منزل کی خواب گاہ میں آئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور وہ رات گئے تک مانی کو اپنے پاس بٹھائے رکھتے تھے۔ صرف آج کی رات ہی شہزاد کے آ جانے سے انھیں کچھ سکون ملا تھا اور انھوں نے سب کو رخصت کر دیا تھا۔ مانی پانچ سال سے ان کا سکریٹری اور معتمد تھا۔ وہ بہت با اصول آدمی تھا اور سر اکبر اسے پسند بھی بہت کرتے تھے۔ وہ ہر وقت، ہر جگہ ان کے ساتھ رہتا تھا۔

Akram Allahabadi

ان کی اچانک موت سب کے لیے ایک معمہ تھی۔غزالی کو تو خیر یہ سوچنے کا ہوش ہی نہ تھا۔وہ اپنے باپ سے بے پناہ محبت کرتی تھی اور سب کے سمجھانے کے باوجود اس کے آنسو اب تک نہ ٹوٹے تھے، لیکن شہزاد شدت غم کے احساس کے باوجود یہ سوچ رہا تھا کہ اس کے اچھے خاصے تن درست باپ کی موت اس طرح اچانک کیوں اور کیسے واقع ہوئی، اور وہ چیخ کیسی تھی؟"

وہ بات جسے وہ واہمہ سمجھ رہے تھے آج سو فیصدی حقیقت ثابت ہوئی تھی۔سر اکبر ایک ہفتے سے کہہ رہے تھے کہ وہ ایک نامعلوم پراسرار آواز کو یہ کہتے سن رہے ہیں کہ تم مر جاؤ گے، لیکن کوئی یقین نہیں کرتا تھا کیوں کہ نہ کسی اور کے سامنے وہ آواز سنائی دی نہ کوئی خلافِ معمول بات عمل میں آئی۔اور آج اس نامعلوم موت کی آواز کا حکم پورا ہو چکا تھا۔انھیں اس کی لرزہ خیز نوعیت کا اچانک اور شدید احساس ہوا تھا۔ڈاکٹر اس عجیب واقعہ پر سب سے زیادہ حیران تھا۔وہ گزشتہ ایک ہفتے میں کئی بار سر اکبر کا معائنہ کر چکا تھا، ان کے جسمانی نظام میں کوئی خفیف سی خرابی بھی نہ تھی۔حرکتِ قلب بند ہونے کا بھی سوال نہ تھا کیوں کہ گزشتہ شب بھی وہ ان کی صحت کا جائزہ لے چکا تھا۔یہ بھی ممکن نہ تھا کہ ان کی موت کوئی سازشی پہلو رکھتی ہو اس لیے کہ رات بعد شہزاد اور غزالہ کے سوا ان کے پاس کوئی جا بھی نہیں سکتا تھا اور سازش کی کوئی وجہ بھی نہیں ہو سکتی تھی۔سر اکبر کی زندگی و سے کوئی فتنہ و فساد، کوئی اختلاف یا کوئی ایسی چیز وابستہ نہ تھی جو اس نتیجے کا سبب بن سکے۔

پھر وہ پراسرار آواز...؟ وہ چیخ...؟ اور موت...؟

☆☆☆☆☆☆

محکمۂ سراغ رسانی کی ڈاج اسٹیشن ویگن اور اسی سبز کار روا رالا اکبر کے احاطے میں کھڑی ہوئی تھی۔صبح سے بارش تھم گئی تھی اور بادلوں کے پھٹ جانے سے سورج کی تیز دھوپ

تمتماتی ہوئی بھیگی زمین اور بھیگے درختوں پر پڑ رہی تھی۔

کوٹھی کے اندر سراکبر کی خواب گاہ سے ملحق کمرے میں اس وقت محکمہ خفیہ کے شعبۂ سراغ رسانی کا انچارج سپرنٹنڈنٹ خان ایک کرسی پر بیٹھا کوٹھی کے ملازموں سے باز پرس کر رہا تھا۔ اب تک وہ تقریباً نصف ملازموں کے بیانات لے چکا تھا۔ تمام ملازم باری باری اندر بلائے جاتے اور سوالات کرنے کے بعد انھیں دوسرے دروازے سے پیچھے کی طرف بھیج دیا جاتا۔ باہر سارجنٹ بالے موجود تھا، جو یہ دیکھ رہا تھا کہ بیان دینے والے ملازم واپس آ کر دوسروں تو ان سوالات کے متعلق نہیں بتاتے، جو ان سے اندر پوچھے جاتے ہیں۔ لیکن وہ اس غیر دلچسپ ڈیوٹی سے تقریباً بور ہو چکا تھا۔ بڑے ہال میں ایک کرسی ڈالے اور ایک دوسری کرسی پر سامنے پیر پھیلائے دو تھکے ہوئے انداز میں ان ملازموں کو گھور رہا تھا جن کے بیانات ابھی باقی تھے۔ ابھی تک اسے کوئی ایسی شکل نظر نہیں آئی تھی جو اس کے لیے دلچسپی کا باعث ہو سکے۔

بالآخر وہ اکتا گیا۔ باہر ابراہیم موجود تھا۔ اس نے ایک کانسٹیبل سے اسے بلوا لیا۔

''ابراہیم، تم ذرا ان نوکروں پر نظر رکھو۔ صاحب جسے بلائیں صرف اسی کو اندر جانے دینا اور ہاں دیکھو یہ آپس میں کوئی گفتگو نہ کرنے پائیں نہ ہی کوئی نیا آدمی ان کے پاس آئے۔'' بالے نے ابراہیم کو ہدایت کی۔

''میں سمجھ گیا، جناب۔'' ابراہیم نے اثبات میں سر ہلا دیا اور بالے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالے ٹہلتا ہوا ہال کی طرف نکل گیا۔ اطلاع کے مطابق کوٹھی کے تمام آدمی نیچے جمع کیے جا چکے تھے۔ ''مگر۔''

وہ چلتے چلتے ٹھٹک کر رک گیا۔ آواز اوپری منزل سے آئی تھی، جیسے کوئی چیز اوپری منزل کی فرش پر گرا ہو اور اس کا دھماکہ نیچے محسوس ہوا۔

وہ تیزی سے زینے کی طرف لپکا، مگر پھر کسی خیال سے اس نے پنجوں کے بل سرعت سے سیڑھیاں چڑھنی شروع کر دیں۔ اوپر ایک کافی وسیع برآمدہ نما حصہ تھا جس میں

بہت سے کمرے بنے ہوئے تھے۔لیکن یہاں کوئی ذی روح اسے نظر نہ آیا۔

وہ ادھر ادھر نظر دوڑا کر اندازہ کرتا رہا کہ وہ دھمک کس حصے سے نچلے ہال کی چھت پر سنائی دی گئی ہوگی۔بالآخر اس کے قدم ایک بند کمرے کی کھڑکی کے بنز دیک رک گئے۔اس نے جھک کر اس کے دروازے کے پاس فرش سے کان لگا دیا۔

اندر آہستہ آہست کوئی چل رہا تھا۔پھر ایک خفیف سے کھٹکے نے اس کی تصدیق بھی کردی، جیسے کوئی بند الماری کی دراز وغیرہ کھولی گئی ہو۔

یہ سرا کبر کی اوپری منزل کی آرام گاہ تھی۔بالے نے جب کھڑکی کو آہستہ سے ڈھکیلا تو اس کی سٹکنی لوز معلوم ہوئی۔پھر اس نے اچانک پوری طاقت سے اس کھڑکی کو دھکا مارا، اس کی سٹکنی کے اسکروڈھیلے ہو گئے اور وہ اندر جا پڑا۔اس کے گرتے ہی کسی کی باریک سی چیخ نکل گئی۔ بالے نے فوراً ہی کپڑے جھاڑتے ہوئے سنبھل کر دیکھا۔وہ سرخ وسفید رنگ کی ایک نازک سڈول جسم اور خوب صورت نقش ونگار والی جوان لڑکی تھی۔اس نے بدن پر سادہ سفید غرارہ، سفید فراک اور سینون کا دوپٹہ پہن رکھا تھا۔

''اخاہ، تو آپ ہی ہیں وہ خوف ناک روح؟'' بالے نے آنکھیں گھما کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔وہ سہمی سہمی نظر آرہی تھی۔بالے کو آگے بڑھتے دیکھ کر وہ دیوار سے ٹک گئی۔

''تت...تم...تم کون ہو؟'' وہ خوف زدہ آواز میں ہکلانے لگی۔

''مم...میں...میں روحوں کا معجون مرکب ہوں۔'' بالے بھی اسی کی طرح ہکلا کر بولا۔

''کون ہو تم؟'' اس نے پھر لہجہ سخت کر کے لڑکی کو ڈانٹا۔

''تم کون ہو؟'' لڑکی نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''پھر وہی بکواس۔یہاں اس بند کمرے میں کیا کر رہی تھیں؟'' بالے نے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

''میں...؟ مگر تم یہاں کیوں آئے؟'' وہ اب بھی خوف زدہ تھی۔

''میں یہاں جھک مرنے آیا تھا۔تم سیدھی طرح بتاؤ گی یا نہیں؟''

''مم...میں اس گھر کی مالک ہوں۔'' وہ ڈر ڈر کر بولی۔

''اچھا، مالک؟ تب ہی چوروں کی طرح یہاں موجود تھیں۔'' بالے نے آگے بڑھتے ہوئے الفاظ چبا کر کہا۔''یہ ہاتھ میں کیا ہے تمہارے؟'' وہ اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے کاغذ کے ایک پلندے کی طرف اشارہ کر کے بولا، جسے وہ لڑکی چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''کک...کچھ نہیں ہے، کچھ نہیں ہے۔''

''تم اس طرح نہ دو گی لڑکی۔'' بالے کا لہجہ اور سخت ہو گیا۔

''نہیں...تم...تم ڈاکو...چور...''

اور چور کہتے ہوئے وہ اتنی زور سے چیخی کہ نچلی منزل تک اس کی آواز پہنچ گئی۔سب سے پہلے اس کی آواز شہزاد کے کانوں میں پڑی۔وہ چونک پڑا۔

''سپرنٹنڈنٹ صاحب، یہ آواز میری بہن غزالہ کی تھی۔'' وہ گھبرا کر اٹھا۔

''ٹھہرو، میں بھی چلتا ہوں۔'' خان بھی اس کے پیچھے باہر نکل کر دوڑا۔

''بالے کہاں ہے؟'' خان نے باہر نکلتے ہی بالے کی جگہ ابراہیم کو موجود پا کر پوچھا۔

''وہ باہر کی طرف گئے ہیں، صاحب۔'' ابراہیم اٹنشن ہو کر بولا۔

''خیر، تم ان آدمیوں کا خیال رکھو۔''

یہ کہتا ہوا وہ بھی دوڑ کر زینہ چڑھتا اوپر پہنچ گیا۔شہزاد کے قدم سراکبر کی خواب گاہ کی طرف اٹھ رہے تھے، وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا، غزالہ بے تحاشا۔''بھائی جان۔'' کہتی ہوئی دوڑ کر اس سے لپٹ گئی اور بالے پیچھے پلٹ کر خان کو دیکھتے ہوئے سٹ پٹا گیا۔

Akram Allahabadi

''یہ...یہ بدمعاش، چور...''غزالہ نے بالے کی طرف اشارہ کر کے کہنا چاہا۔

''یہ تو پولیس سارجنٹ ہیں، غزالہ۔''شہزاد نے اسے سمجھایا۔

''پولیس سارجنٹ؟''وہ حیران ہو کر بولی۔

''معاملہ کیا ہے آخر؟ تم یہاں کیسے آئے؟''خان نے بالے سے پوچھا۔

''میں چھت پر کسی چیز کے گرنے کی دھمک سن کر یہاں پہنچا تھا اور یہاں یہ محترمہ بند کمرے میں کچھ کر رہی تھیں۔''بالے نے معصوم صورت بنا کر جواب دیا۔''میں تو انھیں کوئی پراسرار سفید روح ہی سمجھا تھا۔''

''اور تم یہاں کیا کر رہی تھیں، غزالہ؟''

''میں... میں ...''یہ کہہ کر جھجکتے ہوئے غزالہ نے وہ کاغذات شہزاد کی طرف بڑھا دیے۔اس وقت خان کو باہر برآمدے میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔وہ پلٹا ہی تھا کہ مانی اندر گھس آیا۔

''کیا ہوا، چھوٹے صاحب؟''اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''کچھ نہیں۔آپ نیچے جایے۔یہاں آپ کی ضرورت نہیں۔''خان نے اسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جناب، یہ میرا فرض...''اس نے کہنا چاہا۔

''اس وقت آپ کے فرض کی گنجائش نہیں ہے۔ضرورت ہوء تو آپ کو طلب کر لیا جائے گا۔'' خان نے دوبارہ اسے واپس جانے کی ہدایت کی۔اور وہ ''بہتر ہے'' کہہ کر سر جھکائے واپس لوٹ گیا۔

''یہ کیسا آدمی ہے؟''خان نے شہزاد سے پوچھا۔

''یہ گزشتہ پانچ برس سے ابا حضور کا معتمد خاص رہا ہے۔آدمی با اصول اور وفادار ہے۔''شہزاد نے بتایا۔

Akram Allahabadi

''خیر،تو ہاں...'' خان پھر بالے اور غزالہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔'' آپ یہاں کیوں تشریف لائی تھیں۔'' خان نے بھی اس سے وہی سوال کیا۔اور وہ بے بسی سے اپنے بھائی کی صورت دیکھنے لگی۔

''بتادو،غزالی۔سپرنٹنڈنٹ صاحب تو ہماری مدد کے لیے آئے ہیں۔ان سے کوئی بات نہیں چھپانی چاہیے۔'' شہزاد نے نرمی سے اسے سمجھایا۔

''آپ کے آنے سے پہلے...'' غزالہ نے شہزاد کو ہی مخاطب کیا۔''ابی حضور نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ اگر آپ کو آنے میں دیر ہو جائے تو میں آپ کو بتادوں کہ اوپر والی خواب گاہ میں امّی حضور کی تصویر کے پیچھے ایک اہم چیز رکھی ہوئی ہے۔'' غزالہ نے بتایا۔

اور اس جملے پر خان کی نظریں فوراً اس دیوار گیر تصویر پر چلی گئیں جو سرا کبر کی خواب گاہ کے بستر کے سرہانے تقریباً تین فٹ چوکور فریم میں ٹنگی ہوئی تھی۔وہ آئیلی پینٹ کی قلمی تصویر تھی۔سرا کبر کی مرحومہ بیگم کے خدوخال غزالہ سے ملتے جلتے تھے۔خان نے دونوں پر ایک نظر دیکھا اور پھر وہ اس تصویر کے نزدیک پہنچ گیا۔تصویر اپنی جگہ سے ہٹ کر ٹیڑھی ہو گئی تھی۔

''تم نے مجھ سے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟'' شہزاد نے غزالہ سے دریافت کیا۔

''کل تو مجھے کسی چیز کا ہوش ہی نہ تھا۔آج نیچے پولیس کے آنے کے بعد مجھے یکایک ابا حضور کے وہ الفاظ یاد آ گئے اور میں نے یہ سوچتے ہوئے کہ شاید پولیس کے سامنے آپ سے اس کے بارے میں بتانا ٹھیک نہ ہو میں نے خود ہی اس کی تلاش شروع کر دی۔نہ جانے کیوں مجھے یہ خیال ہو رہا تھا کہ کوئی اس غائب نہ کر دے۔'' غزالہ نے معصومیت سے بتایا۔

''مجھے افسوس ہے،مس غزالہ۔'' بال نے معذرت کرنی چاہی۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔آپ نے تو ٹھیک ہی کیا۔آپ کو کیا معلوم تھا کہ میں کون ہوں؟'' غزالہ نے پر اخلاق اور نرم لہجے میں کہا اور اس کی یہ غم انگیز سنجیدگی بالے ک لیے اور پکشش نظر آنے لگی۔اس کا جی چاہا کہ اس کی دل جوئی کے لیے کچھ تعزیت کے رسمی الفاظ بھی

کہے،لیکن خان کی موجودگی میں وہ اس کی جرأت نہ کرسکا۔

''تو کیا چیز ملی آپ کو اندر سے؟'' خان نے غزالہ سے سوال کیا۔

''جی...ایک چھوٹی سی صندوقچی میں یہ کاغذات رکھے تھے۔'' غزالہ نے بتایا۔

خان نے وہ کاغذات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ان میں ایک لفافہ تھا جس پر شہزاد کا نام لکھا تھا ساتھ ہی یہ بھی لکھا تھا کہ اسے صرف شہزاد ہی کھولے۔ دوسرے کاغذات ایک دستاویز کی تین نقلیں تھیں جن میں سر اکبر نے اپنی تمام جائیداد کا ۳/۲ شہزاد کے نام اور ۳/۱ غزالہ کے نام لکھ دیا تھا۔گھر کے ملازموں کو بھی تھوڑی تھوڑی رقمیں دی جانے کی ہدایت تھی۔

''یہ سر اکبر کو وصیت نامہ ہے۔'' خان نے وہ کاغذات شہزاد کی طرف بڑھا دیے اور اس نے ایک سرسری نظر ڈال کر انھیں جیب میں رکھ لیا۔اس نے وہ خط بھی وہیں پڑھ ڈالا،لیکن اس میں نہ جانے کس سم کی عبارت تھی کہ وہ اسے پورا نہ پڑھ سکا۔اس نے اسے اندرونی جیب میں رکھ لیا۔

''بہتر ہوگا کہ پہلے ہم اپنی کاروائی ختم کرلیں۔'' خان نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔اس کے ساتھ ہی وہ سب باہر آ گئے اور کمرے کو باہر سے مقفل کر دیا۔

''ابا حضور جب سے ان کے ساتھ یہ عجیب واقعہ شروع ہوا تھا اس خواب گاہ کی روز رات کو روشن رکھا کرتے تھے۔'' شہزاد نے خان کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''ممکن ہے اس طرح اسے روشن رکھنے سے ان کا مقصد یہ رہا ہو کہ کوئی اس کے اندر داخل ہونے کی جرأت نہ کرے اور کرے تو پکڑا جائے کیوں کہ کھڑکیوں کے تمام شیشے ٹرانسپیرنٹ ہیں۔'' خان نے کہا۔

''شاید۔'' شہزاد نے غیر مطمئن انداز میں کہا۔

غزالہ اس وقت بھائی کے پیچھے چل رہی تھی اور بالے بھی خان کے پیچھے تھا۔بالے کو اپنی اس وقت کی حماقت پر کبھی ہنسی آنے لگتی اور کبھی غصہ۔بہر حال اس وقت وہ کافی سنجیدہ نظر

آرہا تھا۔

''اس خط میں کیا ہے؟'' خان نے شہزاد سے سوال کیا۔

''میں بعد میں آپ کو بتادوں گا۔شاید اس وقت بتانا درست نہ ہو۔'' وہ سادگی سے بولا۔اور خان اس کا مطلب سمجھ کر خموش ہو رہا۔

نیچے آکر وہ چاروں اب اسی کمرے میں بیٹھ گئے جس میں ملازموں کو بلا کر باز پرس کی جارہی تھی۔تقریباً تمام ہی نوکر سرا کبر کے پرانے نمکخوار تھے اور ویسے ان کی اس اچانک موت کا کوئی ایسا سبب بھی نظر نہیں آرہا تھا جو اسے واردات قتل ثابت کرنے کا نمونہ بن سکے۔ سبکے بیانات سے ایک چیز واضح تھی کہ سرا کبر ایک ہفتہ قبل جس دن شکار سے لوٹے تھے اچھے خاصے تھے،لیکن دوسرے دن صبح جب وہ سوکر اٹھے تو چپ چاپ اور چونکے ہوئے سے تھے۔ اور تیسرے دن سے ان کی طبیعت خراب ہونی شروع ہوگئی تھی۔طبیعت کی خرابی کا جسمانی صحت پر تو نہ تھا لیکن وہ مضمحل اور پریشان نظر آنے لگے تھے اور چوتھے دن یہ بات نوکروں تک پھیل گئی کہ ان کے دماغ پر کچھ اثر ہوگیا ہے اور کہتے رہتے ہیں کہ شاید میرا وقت آگیا ہے۔

نوکروں سے ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ اس درمیان میں کوئی باہر کا آدمی بھی ان سے ملنے نہیں آیا،صرف ایک مرتبہ اسٹیٹ منیجر اور محساب آئے تھے،لیکن سرا کبر نے ان سے ملنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔انھوں نے اپنے سکریٹری مسٹر مانی کو ہدایت کردی تھی کہ وہ کسی کو ان تک آنے نہ دیں۔

خانساماں اور خادمہ سلیمہ کے بیان کے مطابق گزشتہ ایک ہفتے سے ان کی خوراک بھی معمول سے نصف رہ گئی تھی اور دو ایک بار راتوں کو وہ کبھی کبھی خوف زدہ ہوکر کمرے سے باہر بھی نکلتے دیکھے گئے ہیں۔مگر مسٹر مانی ہر بار انھیں سنبھال کر اندر لے جاتے اور اس وقت تک ان کے پاس رہتے جب تک کہ وہ سو نہ جاتے۔

سب کے آخر میں مانی کا بیان لی گیا۔اس کے بیان میں بھی تقریباً وہی سب باتیں

تھیں، لیکن اس نے انکشاف ضرور حیرت ناک کیا۔ وہ بولا۔ ''اگر واقعی کسی روح کا انتقام یا آسیب وغیرہ کوئی چیز نہیں تو...'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔

''آپ بلا جھجک جو کہنا چاہتے ہیں کہہ ڈالیے۔'' خان نے چاروطرف دیکھ کر کہا۔ اس وقت کمرے میں خان بہادر، شہزاد اور غزالہ کے سوا کوئی نہ تھا۔

''شاید آپ لوگوں کو ناگوار گزرے لیکن مجھے ڈاکٹر رشید پر شک ہے۔''

''ڈاکٹر رشید پر؟'' شہزاد نے چونک کر کہا۔ ''لیکن وہ تو بہت شریف آدمی ہے۔''

''کسی کا معصوم چہرہ شرافت کا سائن بورڈ نہیں ہے، جناب۔'' بالے بیچ میں بول پڑا۔

''مگر اس شک کی وجہ؟''

''نہ جانے کیوں مجھے ایسا گمان ہوتا ہے۔ ویسے بھی سر اکبر کی طبیعت ایک ہفتے سے خراب تھی لیکن یہ واقعہ اسی رات ہوا جب ڈاکٹر کو یہاں قیام کرنے کا موقع دیا گیا۔'' وہ بولا۔

''میں ڈاکٹر سے بھی کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔'' خان نے شہزاد سے کہا۔

''میں نے خود انھیں بلوایا ہے اور وہ آتے ہی ہوں گے۔'' شہزاد بولا۔ غزالہ خموشی سے ان کی گفتگو سن رہی تھی۔

''اور روح کے انتقام یا آسیب کا بھی شبہ کیوں ہے آپ کو؟'' خان نے مانی سے دوسرا سوال کیا۔

''یہ... یہ ایک راز ہے۔'' وہ جھجکتے ہوئے بولا۔ ''مگر میرا خیال ہے اب اسے چھپانا بے سود ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''جب سر اکبر ہی نہ رہے تو اس کا ڈر بے کار ہے۔'' مانی کے ان الفاظ نے اب سب کی توجہ اپنی طرف منعطف کر لی۔

''آپ کچھ چھپانے کی کوشش نہ کیجیے، مانی صاحب۔'' شہزاد نے نرمی سے کہا۔

''دراصل پچھلے ہفتے، یعنی اب سے دس دن قبل جب سر اکبر شکار پر گئے تھے تو میں

اور جاگیر کے اسٹاف کے دوسرے آدمی بھی ساتھ تھے، ایک المناک حادثہ ہو گیا تھا۔"

"کیسا حادثہ؟"

"بتانا ہی پڑ رہا ہے تو بتا رہا ہوں۔ شاید آپ کو اس سے کچھ مدد ملے... بات یہ ہوئی تھی کہ ندی کے اس پار جنگل میں شکار کھیلتے ہوئے سر اکبر کی بندوق کی گولی سے ایک ان جان آدمی ہلاک ہو گیا تھا، محض نشانہ چوک جانے سے۔"

"کب؟" شہزاد نے حیرت سے پوچھا۔

"جن ہم لوگ شکار سے لوٹے ہیں۔"

"تو پھر بتایا کیوں نہیں آپ نے اب تک؟"

"میں سر اکبر کا وفادار نوکر ہوں، محض اس ڈر سے اس راز پر پردہ رکھا گیا کہ کہیں سر اکبر پولیس کے ہاتھ کسی مصیبت میں نہ پڑ جائیں... اور تب ہی سے یہ سلسلہ شروع ہوا ہے۔ وہ خوف ناک آواز جس کا وہ ذکر کرتے تھے، ممکن ہے اسی مرنے والے کی بھٹکتی روح ہی رہی ہو۔" اس نے رائے دی۔

"خیر یہ سوچنا ہمارا کام ہے۔ لیکن کیا یہ واقعہ آپ کے سامنے ہوا تھا؟"

"جی نہیں، میں کافی پیچھے رہ گیا تھا۔ میں نے پہلے بندوق چلنے کی آواز سنی اس کے بعد سر اکبر کو آتے دیکھا۔ وہ گھبرائے ہوئے تھے۔ پہلے تو انھوں نے کچھ نہیں بتایا، لیکن کوٹھی کے قریب آ کر صرف مجھے اتنا بتایا کہ جنگل میں ایک گڈریا ان کی گولی سے زخمی ہو گیا ہے اور یہ کہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ وہ گولی میری بندوق کی تھی۔"

"اور ان کی وہ بندوق؟"

"وہ پیچھے سوکھے کنوئیں میں پھینک دی گئی تھی۔"

"تو گویا آپ نے بھی ایک جرم کو چھپانے میں حصہ لیا۔"

"جناب عالی، یہ محض ایک اتفاق تھا، اور پھر میں سر اکبر کا ملازم تھا۔ میرے ذمے

پولیس کے فرائض نہیں تھے کہ میں جا کر اس کی رپورٹ کرتا۔'' مانی نے صاف اور بے کا نہ لہجے میں کہا۔

''بندوق کس نے کنوئیں میں ڈالی تھی؟''

''انھوں نے خود۔''

''اور اگر اس بیان پر یقین نہ کیا جائے؟''

''تو میں کہہ سکتا ہو کہ میں کچھ نہیں جانتا۔''

''ابراہیم۔'' خان نے بلند آواز سے پکارا۔اور باہر موجود ابرہیم خود فوراً ہی دروازہ کھول کر اندر آ پہنچا۔وہ اٹینشن کھڑا ہو گیا۔

''کوٹی کی پشت پر کوئی خشک کنواں ہے،اس میں کسی آدمی کو اتار کر معلوم کرو کہ کیا کوئی بندوق اس میں پھینکی گئی ہے؟ جلدی۔'' خان نے اسے حکم دیا۔اور وہ ''بہتر ہے۔'' کہتا ہوا ایڑیاں بجا کر باہر چلا گیا۔

''تو آپ کے خیال میں اس آدمی کی روح نے سرا کبر سے انتقام لیا ہو گا۔'' خان نے پھر مانی سے سوال کیا۔

''میں خود اس قسم کی باتوں پر کوئی اعتقاد نہیں رکھتا تھا،لیکن ان حالات سے میرا بھی یقین ڈانوا ڈول ہو رہا ہے۔سرا کبر کہتے تھے کہ کبھی سوتے میں کبھی جاگتے میں وہ نامعلوم پراسرار آواز انھیں تیز سرگوشی کے لہجے میں یہی کہتی سنائی دیتی ہے کہ تم مر جاؤ گے۔اور یہی وجہ تھی کہ وہ اس قدر نڈھال اور پریشان تھے ورنہ زندہ حیثیت میں تو وہ شاید کسی عفریت سے بھی نہ ڈرتے۔'' مانی نے گویا اپنے مالک کی بہادری کی تعریف کی۔

''کیا پولیس نے اس آدمی کے بارے میں، جو سرا کبر کی بندوق سے ہلاک ہوا تھا، کوئی باز پرس نہیں کی؟''

''یہاں تک تو کوئی نہیں آیا، ویسے مجھے علم نہیں کہ اس کا کیا حشر ہوا۔'' مانی نے بتایا۔

Akram Allahabadi

اسی وقت دروازے پر دستک سنائی دی، آنے والا کوٹھی کا ہی ایک ملازم تھا۔

''سپرنٹنڈنٹ صاحب کا فون ہے، حضور۔'' اس نے ادب سے کہا۔ اور خان گفتگو نامکمل چھوڑ کر باہر آ گیا۔ ٹیلی فون انسپکٹر ڈی سوزا کا تھا۔

''ہیلو، مسٹر ڈی سوزا، ہاں... کیا بات ہے؟'' خان نے پوچھا۔

''پوسٹ مارٹم رپورٹ...''

''ہاں کیا رزلٹ ہے؟... اوہ۔ اچھا... نہیں سر دست کوئی کلیو نہیں ملا...'' یہ کہہ کر اس نے رسیور رکھ دیا اور اس کمرے میں پھر لوٹ آیا۔ وہ چاروں سوالیہ نظروں سے خان کی صورت دیکھنے لگے۔

''پوسٹ مارٹم رپورٹ۔'' وہ بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''سر اکبر کی موت دم گھٹنے سے واقع ہوئی ہے، لیکن گردن یا بدن پر کہیں کسی زخم یا انگلیوں کے نشانات نہیں ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''تو پھر دم کیا آپ سے آپ گھٹ گیا ہوگا؟'' بالے نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''بعض ایسے کیسز بھی ہوئے ہیں جن میں کسی دہشت کی وجہ سے مرنے والے کا دم گھٹ گیا ہے۔'' خان نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

اور اس بلند چھت والے آراستہ کمرے کے ماحول میں چند لمحوں کے لیے سناٹا چھا گیا۔ وہ سب اپنی اپنی جگہ سوچ میں پڑ گئے تھے۔ لیکن بالے کی نگاہیں اس وقت بھی غزالہ کے اداس چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ دو ایک بار غزالہ نے بھی نظریں اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ اس کی آنکھیں کسی جھیل کی طرح پرسکون نظر آ رہی تھیں۔ ان میں کسی قسم کے جذبات نمایاں نہیں تھے۔

''کیا آپ وہ خط دیکھنا پسند کریں گے؟'' شہزاد نے خان کو یاد دلایا۔

''او ہاں، آیئے۔'' وہ اٹھ کر باہر نکل گیا۔ شہزاد اس کے پیچھے تھا۔ وہ دونوں پچھلے دروازے سے چوڑے برآمدے میں نکل آئے۔ شہزاد نے وہ خط خان کی طرف بڑھا دیا۔ واقعی

اس کی عبارت ایسی تھی جو دوسروں کے سامنے نہ پڑھی جا سکے۔سر اکبر نے بیٹے کے نام لکھا تھا۔

اچھے بیٹے شہزاد۔

آج میں تمہیں ایک ایسے راز سے آگاہ کر رہا ہوں جو معمولی بھی ہے اور نہیں بھی۔ لیکن پتہ نہیں تم پہلے آؤ کہ موت، اس لیے یہ خط سب کچھ کہہ دے گا۔

ایام جوانی میں انسان سے اکثر بھول ہو جاتی ہے۔ایسی ہی ایک بھول اب سے تقریباً ۲۵ سال پہلے مجھ سے ہوئی تھی، جب تم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔شنکر گڈھ میں شکار کھیلتے ہوئے میں خود جوانی کی ایک بھول کا شکار ہو گیا تھا۔وہ ایک غریب لڑکی تھی۔ میں نے اسے اپنا فرضی نام شاکر بتا کر رسمی طور اس سے نکاح کر لیا تھا۔لیکن بعد میں حالات سے ڈر کر میں وہاں سے ایک رات چپ چاپ نکل آیا۔مجھ میں پھر کبھی اتنی جرأت نہیں ہوئی کہ میں وہاں جا سکتا یا اس راز کو کسی پر ظاہر کر سکتا۔صرف شنکر گڈھ کا بوڑھا پٹیل میرا راز دار تھا جو اب تک زندہ ہو گا یا نہیں، یہ مجھے معلوم نہیں۔کیوں کہ تم لوگوں کے جوان ہونے پر میں نے اس سے خط و کتابت بند کر دی تھی، محض اس ڈر سے کہ کسی دن یہ راز افشا نہ ہو جائے اور میں اپنے بچوں کی نگاہوں میں خود ذلیل ٹھہروں۔میں اس عورت کو شنکر گڈھ کے پٹیل کے ذریعے ہی کبھی کبھی کچھ خرچ بھیج دیا کرتا تھا اور مجھے اعتراف ہے کہ اس میں بھی میری شرافت کو دخل نہ تھا بلکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ ایک بچے کی ماں بن چکی تھی اور تم سمجھ سکتے ہو کہ وہ بچہ کس کا ہو گا۔بہر حال پچھلے آٹھ دس سالوں سے مجھے ان لوگوں کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ملی۔پٹیل نے مجھے ایک بار صرف یہ لکھا تھا کہ وہ دق کے مرض میں مبتلا ہو کر اپنے لڑکے سمیت شنکر گڈھ چھوڑ کر کہیں چلی گئی۔وہ کہاں گئی، یہ آج تک نہ معلوم ہو سکا، لیکن اپنی زندگی کی ان آخری گھڑیوں میں مجھے اس ظلم کا شدید احساس ہو رہا ہے جو میں نے ایک بے سہارا غریب عورت اور اس کے بچے پر کیا ہے۔

میرے بیٹے، کیا تم اپنے باپ کے ان گناہوں کا کفارہ کر سکو گے۔مجھے یقین ہے کہ میری روح پر سے اس گناہ کا بوجھ کم کرنے کے لیے تم کم از کم اتنا ضرور کرو گے کہ کسی طرح

ان لوگوں کو تلاش کر کے ان کو اتنا سہارا دے دو کہ وہ اپنی زندگی آرام سے گزار لیں۔ مگر ان پر یہ نہ ظاہر ہونے دینا کہ تمہارا گناہ گار باپ ہی ان کی مصیبتوں کس سبب تھا، ورنہ شاید ان کے دلوں سے تمہارے لیے بھی بد دعائیں نکلیں اور پس مردن لوگ اس راز سے واقف ہو کر مجھ پر لعنت بھیجیں۔ میں نے اپنے خاندانی وقار اور اپنی عزت کو ہمیشہ اونچا رکھا ہے اور امید ہے کہ تم بھی اسے اونچا ہی رکھو گے۔

ہمیشہ تم لوگوں کے ساتھ رہنے والی ایک بدنصیب باپ کی دعاؤں کے ساتھ۔

میرے پیارے بچو! الوداع

فقط۔ تمہارا باپ۔ اکبر

خط کو ختم کر کے خان نے شہزاد کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''بچے نہ بنو، نوجوان آدمی۔ اس طرح دل چھوٹا کرنے سے کیا فائدہ؟'' خان نے اس کی پیٹھ تھپک کر اسے تسلی دی۔

''میں ان لوگوں کو تلاش کرنا چاہتا ہوں، سپرنٹنڈنٹ صاحب۔ کچھ بھی سہی وہ بد نصیب عورت میری ماں اور اس کا لڑکا میرا بھائی ہے۔ میں انھیں ضرور تلاش کروں گا۔'' وہ لرزتی آواز میں بولا۔

''تم ضرور ایسا کر سکتے ہو، لیکن سکون کے ساتھ۔ اس میں پریشان ہونے یا گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔'' خان نے اسے سمجھایا۔

وہ پھر ٹہلتے ہوئے واپس آ گئے۔ یہاں اس وقت ڈاکٹر رشید بھی موجود تھا۔ وہ ابھی ابھی آیا تھا۔ اس سے گفتگو کرتے وقت خان نے ان سب کو باہر بھیج دیا۔ صرف وہی دونوں رہ گئے۔

کمرے کے باہر اس وقت شہزاد، غزالہ، سارجنٹ بالے اور مانی کھڑے ہوئے

Akram Allahabadi

تھے۔لیکن کھڑے کھڑے جیسے شہزاد کو کچھ یاد آ گیا۔

''میں ابھی آیا۔'' یہ کہہ کر وہ اپنی جیب ٹٹولتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔مانی مؤدب ہو کر راستے سے ایک طرف ہٹ گیا۔

''میری کوئی ضرورت نہ ہو تو میں بھی اجازت چاہوں گا۔'' وہ اب غزالہ سے مخاطب ہوا۔جس پر غزالہ نے بالے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''ہاں ہاں، آپ بھی جا سکتے ہیں۔'' بالے نے لاپرواہی سے کہا۔

اور وہ بہت خوب کہتا ہال کی طرف چلا گیا۔

''کیا آپ بھوتوں پر یقین رکھتی ہیں؟'' بالے نے غزالہ سے گفتگو چھیڑ دی۔

''روحوں پر؟'' وہ شاید سمجھی نہیں۔

''اور نہیں تو کیا، مثلاً سرا کبر کا ہی واقعہ...''

''میں نہیں جانتی۔لیکن ابا حضور اس آواز کا ذکر ضرور کرتے تھے۔'' وہ سادگی سے بولی۔''ویسے آپ کا کیا خیال ہے؟''

''روحوں کے بارے میں میرے خیالات ہمیشہ اونچے رہے ہیں، یعنی میں ایسے بہت سی اعلیٰ کوالٹی کی روحوں کا جانتا ہوں جو سر نیچے ٹانگیں اوپر کیے ویرانوں میں لٹکی رہتی ہیں۔''

''کیا آپ نے انھیں دیکھا ہے؟...اپنی آنکھوں سے؟'' وہ حیران ہو کر بولی اور اس کی اس معصومیت نے بالے کی زبان اور تیز کر دی، وہ گزشتہ چند گھنٹوں میں شدت سے بور ہو چکا تھا اور اگر خوش قسمتی سے غزالہ سے اس کی مڈبھیڑ نہ ہو جاتی تو وہ تو اپنے سر پر کوئی بھوت بلا کو یہاں سے بھاگنے کو تیار تھا۔

''جی نہیں، میں نے کرائے کی آنکھوں سے دیکھا تھا۔'' وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

''میرا یہ مطلب نہیں، میں تو اس لیے پوچھ رہی تھی کہ میں نے آج تک صرف ان

کی کہانیاں ہی سنی ہیں۔"

"میرا سابقہ پڑ چکا ہے، میڈم۔ ہائے وہ بھیانک کالی رات۔" وہ کسی ایکٹر قسم کے قصہ گو انداز میں اپنی داستان بیان کرنے سے پہلے ہی خوف زدہ معلوم ہونے لگا اور غزالہ ہمہ تن گوش ہو گئی۔

"میں ہانگ کانگ میں ایک رات جب جنرل چیانگ کائی شیخ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گیا..."

"چیانگ کائی ٹھیک تو زندہ ہے ابھی۔" غزالہ نے بات کاٹ دی۔

"اف...فوہ... میں چیانگ کائی شیخ کہہ رہا ہوں نا۔ یہ اس کے چچا زاد بھائی مرحوم کا نام تھا، جو پہلی جنگِ عظیم میں افیون کے دھوکے میں دھتورا کھا کر مر گیا تھا۔"

"میں نے تو اس کا نام نہیں سنا کہیں۔"

"آپ کیسے سنیں گی، وہ آخری عمر میں توبہ استغفار کر کے مسلمان ہو گیا تھا۔"

"اوہ۔" غزالہ معصومیت سے بولی۔ "تب ہی ہسٹری میں اس کا ذکر نہیں ہے۔"

"جی، تو میں کہہ رہا تھا کہ جب میں اس کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گیا تو جانتی ہیں آپ کیا ہوا؟"

"کیا ہوا۔" وہ حیرت زدہ سوالیہ انداز میں بالے کی شکل دیکھنے لگی اور خود بالے اتنی سنجیدہ اداکاری کر رہا تھا کہ کسی نئے آدمی کے لیے اس پر تصنع کا شبہ کرنا بھی ناممکن تھا۔

"اس کی قبر پھٹ گئی۔"

"قبر پھٹ گئی، ہائے اللہ۔" وہ اچھل پڑی۔

"اور اس میں سے نکلا دھواں اور دھویں سے نکلا چیانگ کائی شیخ۔"

"ہونہہ...جھوٹ۔ آپ ضرور مجھے بنا رہے ہیں۔"

"میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ آپ یقین نہیں کریں گی۔ کوئی بھی اس واقعہ پر سنجیدگی

سے یقین نہیں رہا، لیکن میں اسم کھا سکتا ہوں کہ..."

"بس بس، قسم نہ کھایے۔ ہوسکتا ہے ایسا ہوا ہو۔ ہمارے یہاں اکبرپور میں بھی ایک سید صاحب جمعرات کی رات کو اپنے مزار سے نکل کر ٹہلتے تھے۔" وہ کسی بھولے بچے کی طرح خود ہی اسے سمجھانے لگی۔ گاؤں والے کہتے ہیں انھوں نے خود دیکھا ہے۔"

"ضرور دیکھا ہوگا۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اس میں سے چیا تنگ کائی شیخ کا مردہ جب نکلا تو جانتی ہیں آپ اس نے نکلتے ہی کیا کہا۔"

"کیا؟"

"چاؤ ونگ۔"

"چاؤ ونگ؟"

"چاؤ ونگ لنگ پاؤں پاؤں پاؤں پک... یعنی اٹنشن۔"

"اتنا لمبا اٹنشن۔" وہ حیرت سے بولی۔

"چینی زبان ایسی ہی ہوتی ہے۔ ہمارے لمبے جملے وہاں مختصر اور مختصر جملے لمبے بولے جاتے ہیں۔ مثلاً میں آپ سے کہوں کہ تشریف رکھیے۔ تو وہ بولیں گے 'پو'۔ آپ کو کہنا ہو کہ 'جاؤ' تو وہاں کہا جائے گا 'چوں چائیں چن چاؤ۔"

"آپ چینی زبان جانتے ہیں؟"

"میں دنیا کی ۲۷ زبانیں جانتا ہوں۔ جن میں قندھاری زبان سے لے کر لکوے ڈور تک کی زبان شامل ہے۔

"لے کوے ڈور۔" وہ ہنس پڑی اور اس کے موتی جیسے سفید مہین دانت پتلے گلابی ہونٹوں کے درمیان چمکنے لگے۔ بالے دل پر اس چمک سے ہزاروں وولٹ بجلی کی لہر دوڑ گئی۔

"آپ ہنس رہی ہیں۔ اس کا نام بدلتے بدلتے اب ایکویڈور ہوگیا ہے۔"

"ایکویڈور۔" وہ شاید اس وجہ تسمیہ سے مطمئن ہو کر پھر سنجیدہ ہوگئی۔

"خیر تو میں کہہ رہا تھا کہ میں فوراً اٹینشن ہو گیا،اس نے کہا ٹنگی باؤ چیین جاؤ این لائی،یعنی چائے لاؤ۔اب آپ بتایے میں اس جگہ چائے کہاں سے مہیا کرتا۔وہ مجھے گھورنے لگا اور میرے ہاتھ پیر پھول گئے۔میں نے بے اختیار 'باروالا...باروالا..'چلانا شروع کر دیا۔مگر اسے کہاں صبر ہوتا۔وہ قبر سے نکل کر میرے پیچھے دوڑ پڑا۔"

"ارے،پھر؟" وہ حیرت سے بولی۔

"پھر کیا،مجھے بھی بھاگنا پڑا۔"

"مگر آپ کے تو ہاتھ پیر پھول گئے تھے نا۔"اس نے کچھ اس معصومانہ انداز میں یہ سوال کیا کہ بالے کا دل تڑپ اٹھا۔وہ قطعی سنجیدہ تھی اور شاید اس کی بکواس پر حرف بحرف یقین کر رہی تھی۔

"جی،وہ اسی وقت پچک بھی گئے تھے۔ارے،اب آپ یہ بھی نہیں سمجھتیں کہ ہاتھ پیر پھولنا محاورہ ہے ڈر جانے کا۔"

"تو مجھے کیا معلوم۔"غزالہ نے یہ کہتے ہوئے پلکیں جھکا کر ایسی شکل بنائی کہ بالے کے فرشتے بھی قیس وفرہاد کو چیلنج کرنے لگے۔

"اچھا بچے کون سا انگوٹھا چوستے ہیں؟"بالے نے عجیب سا منہ بنا کر اس سے سوال کیا۔

"یہ سا..."اور ایک موٹا سا طاقتور گھونسا اسے چہرے کے سامنے نظر آیا۔اب سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اس سلسلہ حماقت کو کسی شاندار طریقے پر ختم کر دے۔

"شہزاد صاحب کہاں ہیں؟"خان نے غزالہ سے پوچھا۔ڈاکٹر اس کے پیچھے کھڑا تھا۔

"وہ ابھی اپنے کمرے میں گئے ہیں۔"بالے نے ہی جواب دے دیا۔

"چپ رہو،احمق۔میں تمہیں آج کسی یتیم خانے میں بھرتی کراؤں گا۔"خان اسے

Akram Allahabadi

گھورتا ہوا جیسے ہی آگے بڑھا، بالے نے کچھ ایسی روندھنی شکل بنائی کہ غزالہ اس افسردہ موقعہ پر بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکی۔

''آپ ہنس رہی ہیں اور میرا ایڑھ غرق ہو رہا ہے۔''

''کیوں؟'' وہ ہنسی روک کر بولی۔

''وہ جو کچھ کہتے ہیں کر گزرتے ہیں، بڑے ضدی آدمی ہیں۔'' بالے نے بھولے پن سے کہا۔

لیکن خان تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ ہال کی طرف سے مانی آ پہنچا۔

''مسٹر شہزاد...؟'' خان نے اس سے پوچھنا چاہا۔

''جی میں یہاں ہوں۔'' داہنی سمت سے آواز آئی۔ شہزاد اپنے کمرے سے نکل کر واپس آ رہا تھا۔

''اوہ، ہاں... ڈاکٹر صاحب، آپ جا سکتے ہیں۔'' خان کو جیسے کچھ یاد آ گیا۔

اور ڈاکٹر کوئی جواب دیے بغیر ایک سادہ نظر غزالہ پر ڈالتا خموشی سے اپنا بیگ سنبھالے باہر نکل گیا۔ اس کے باہر جاتے ہی خان، بالے کے قریب آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں شیشے کی ایک چھوٹی سی شیشی تھی، جس پر ربڑ کا کاگ لگا ہوا تھا۔

''اسے کیمیکل اینالسٹر کے پاس بھیجنا ہے۔ ڈاکٹر نے سر اکبر کو مارفیا کا جو آخری انجکشن دیا تھا، یہ اسی کا سیل ہے، احتیاط سے رکھو۔''

''تو کیا...؟'' بالے نے کہنا چاہا۔

''اور محکمے کا ایک آدمی ڈاکٹر کے پیچھے لگا دو۔ مجھے اس کی نقل و حرکت کی تمام رپورٹ چاہیے۔''

یہ خان کی دوسری ہدایت تھی، لیکن خلاف توقع وہ یہ الفاظ اتنے ہی آہستہ لہجے میں کہہ رہا تھا جسے بالے کے علاوہ مانی، شہزاد اور غزالہ بھی سن لیں اور سن کر بھی یہ سمجھیں کہ وہ انھیں

Akram Allahabadi

سنانا نہیں چاہتا۔

''تو کیا آپ کو ڈاکٹر رشید پر شک ہے؟'' شہزاد نے قریب ہو کر سوال کر ہی دیا۔

''میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' خان نے اس کی طرف دیکھے بغیر مختصر جواب دیا۔ بالے لن اس کی ہدایت کے مطابق انجکشن کا خالی سیل جیب میں ڈال لیا۔ اب خان پھر شہزاد کی طرف پلٹ پڑا۔

''میں قانونی کاروائیوں کی حد تک کوشش کروں گا، لیکن مجھے توقع نہیں کہ اس کیس کا کوئی نتیجہ برآمد ہو سکے۔'' وہ شہزاد اور غزالہ سے کہنے لگا۔ ''میرا خیال یہ ہے کہ سراکبر کی موت دہشت کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔ اور پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی تقریباً یہی کہتی ہے۔'' خان نے بتایا۔

اس کے ان جملوں سے غزالہ اور شہزاد پر جو مایوس کن کیفیت طاری ہو رہی تھی اسے دیکھتے ہوئے بالے کا جی چاہا کہ وہ کچھ بولے، لیکن خان کو سمجھنا اس کے بس کی بھی بات نہ تھی۔ وہ یہ یقین کرنے کو کسی طرح تیار نہ تھا کہ خان نے اتنی محنت فضول کی ہوگی۔ اس ادراظہارِ خیال تو وہ پہلے بھی کر سکتا تھا۔ غزالہ کی سادگی اس کی معصومانہ ادائیں اور اس کی نئی نئی دوستی بالے کو اکسا رہی تھی کہ وہ یہیں ڈھیر ہو جائے۔ مگر خان کے سامنے اس وقت کچھ بولنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ شہزاد کچھ کہنے ہی جا رہا تھا کہ اسی وقت ابراہیم اندر آ پہنچا۔ ایک اچھی حالت کی نئی سی بارہ بور بندوق کے دو ٹکڑے اس نے اپنے دو رووالوں سے تھام رکھے تھے۔ پیرل الگ تھے اور کندہ الگ۔ کندہ وارنش کیا ہوا اور بیل بھی چمک دار تھے، لیکن ان پر شاید کنوئیں کی مٹی لگ گئی تھی۔ کنوئیں کی مٹی ابراہیم کے ہاتھوں اور کپڑوں پر بھی لگی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ خود ہی اندر اترا ہوگا۔

''اور کچھ نہیں ملا ہے؟'' خان نے اس سے پوچھا۔

''جی نہیں۔'' اس نے مختصر سا مؤدبانہ جواب دیا۔

خان قریب سے ان ٹکڑوں کو کچھ دیر دیکھتا رہا۔

''خیر میری گاڑی میں اسی طرح رکھ دو۔'' خان نے ہدایت کی۔ ''رسمی رپورٹ تو بنانی ہی پڑے گی۔'' ابراہیم بندوق کو اسی طرح تھامے باہر نکل گیا۔

''اچھا مسٹر شہزاد، مجھے افسوس ہے کہ پولیس اس سلسل میں زیادہ نہ کر سکی ویسے کوئی قابلِ ذکر بات آپ کو معلوم ہو تو مجھے ضرور خبر کیجیے گا۔'' خان نے شہزاد سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''بہتر ہے۔'' شہزاد نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ مانی اس وقت خموشی سے علیحدہ کھڑا تھا۔

بالے بھی بادلِ ناخواستہ ایک نظر غزالہ اور شہزاد پر ڈالتا ہوا خان کے پیچھے باہر نکل گیا۔

باہر خان کی سبز کار اور سی آئی ڈی کی اسٹیشن ویگن، اسٹاف کار 'ڈاج' احاطے میں کھڑی تھی۔ وہ جب پورٹیکو سے نکل کر ان کی طرف چلنے لگے تو بالے سے نہ رہا گیا۔

''آپ شاید تفریح کرنے آئے تھے اتنی دور؟'' اس نے جلے ہوئے لہجے میں کہا۔

''شاید؟''

''آپ اس موت کی آواز سے ڈر گئے؟''

''شاید۔''

''آپ شاید ان معصوم بچوں کی مدد نہیں کرنا چاہتے؟''

''شاید۔''

''یں روحوں اور بھوتوں پر اعتقاد نہیں رکھتا۔''

''ہو سکتا ہے۔''

''ارے، اب 'شاید' ختم بھی ہو گا یا نہیں۔''

Akram Allahabadi

''ہُم...''

''کیا آپ مانتے ہیں کہ سراکبر کو کسی بھوت ووت نے ہی مارا ہے؟''

''ہوسکتا ہے بھوت ہو، ووت تو ہو نہیں سکتا۔''

''مجھے اس فرانسیسی جنرل کا قصہ یاد آرہا ہے جس کی فوج کا ایک سپاہی صرف تین لفظ بول سکتا ہے۔''

''نہ تم جنرل ہو نہ ہی سپاہی۔''

''میں مثالاً عرض کر رہا ہوں۔''

''تو عرض کرتے رہو۔''

''لاحول ولاقوۃ۔ چلیے، یہ خادم الوکا پٹھا ہے۔ بس، اب تو کچھ بولیے۔''

''بول نہیں رہا تو کیا جھک مار رہا ہوں؟''

''اف، میں خودکشی کرلوں گا۔''

''محکمے کا کوئی خسارہ نہ ہوگا۔''

''خدا اس محکمے کو غریقِ رحمت کرے۔''

''اسرار کو شنگوھ بھیج دو۔ وہاں کے پٹیل سے سراکبر کی دوسری گمنام بیوی اور اس کے لڑکے کا پتا چلانا ہے۔''

''یہ لوگ کہاں سے پیدا ہو گئے؟''

''سراکبر کی اوپری خواب گاہ کے ایک سوراخ سے۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس کیس میں دلچسپی لے رہے ہیں؟''

''ہاں بھی اور نہیں بھی۔''

''آپ تو میرا سر سہلا دیجیے۔''

''کیوں؟''

Akram Allahabadi

''میرا بھیجہ آؤٹ ہوگیا ہے۔''

''اِن کرلو۔''خان نے مسکراتے ہوئے اپنی کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

ابراہیم اور پولیس کے دونوں مسلح سپاہی کچھ دور پر مؤدب کھڑے تھے۔سی آئی ڈی کا ایک حوالدار ڈاج کے پاس اٹنشن کھڑا تھا اور پورٹیکو میں زینے پر شہزاد،غزالہ اور مانی کھڑے انھیں رخصت ہوتے دیکھ رہے تھے۔کوٹھی کے دوسرے ملازم بھی ادب سے ایک طرف کھڑے تھے۔ان کی کار جب خاردار احاطے کے دروازے سے نکلنے لگی تو محافظ دربان سلام کرتا ہوا تن کر کھڑا ہوگیا۔ دونوں کاریں جب پولیس سائرن بجاتی ہوئی آگے پیچھے روانہ ہوگئیں،تو شہزاد نے غزالہ کو اور غزالہ نے شہزاد کو اداس نظروں سے دیکھا پھر جب ان دونوں کی نظریں مانی پر پڑیں تو اس نے بھی روندھنی سی صورت بنا کر سر جھکا لیا۔

''خادم بھی عرض کرتے ہوئے جھجک رہا تھا،چھوٹے صاحب۔'' وہ مؤدب لہجے میں شہزاد سے مخاطب ہوا۔''سپرنٹنڈنٹ پولیس کا شک بے معنی نہیں ہوسکتا۔''

''آپ کا مطلب ہے ڈاکٹر رشید؟''

''اگر یہ کوئی آسیبی انتقام نہیں تو یہی سوچا جاسکتا ہے۔''مانی نے اظہارِ خیال کیا۔ غزالہ جب چاپ ان کی گفتگو سن رہی تھی۔

''کیا آپ بھی آسیب کو مانتے؟''شہزاد نے مانی سے بھی وہی سوال دہرایا۔

''اگر سر اکبر آنجہانی کے بیان پر یقین کیا جائے تو مانے بغیر چارہ نہیں۔''مانی نے ان دونوں کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔''شہزاد پریشانی کے عالم میں اپنا سر پکڑ کر اندر چلا گیا۔غزالہ بھی اس کے پیچھے کسی گہری سوچ میں غرق اندر چلی گئی۔مانی کچھ دیر کھڑا رہا،پھر نوکروں پر ایک سرسری نظر ڈال کر وہ بھی ہال کی طرف چل دیا اور ملازم منتشر ہوگئے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

سی آئی ڈی کی اسٹاف کار، ڈاج ہتو خان کی ہدایت پر آگے نکل گئی تھی اور خان کی کار جس میں صرف وہ اور بالے تھے تفریحی انداز میں آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ بالے کو جس طرح اس ویران سے مقام پر آتے ہوئے کوفت ہو رہی تھی اسی طرح یہاں سے جاتے ہوئے بھی وہ بوریت محسوس کر رہا تھا۔ اسے غزالہ دوسری لڑکیوں سے مختلف، بھولی اور سادہ نظر آئی تھی۔ رُومان کی وال یہاں گلتی تو نہیں معلوم ہوتی تھی، مگر نہ جانے کیوں وہ اس سے گفتگو کرتے وقت ایک خاص قسم کی لذت سی محسوس کرتا تھا۔ کافی غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا وہ شکل وصورت سے زیادہ اس لڑکی کی آواز میں کشش ہے یا دوسرا لفاظ میں اس کی آواز میں نلا کی سیکس اپیل تھی اور اگر وہ ایک سلجھے ہوئے سادے کردار کی مالک نہ ہوتی تو بالے ضرور اپنے جذبۂ عشق کو اس کے دروازے کی چوکھٹ سے باندھ کر آیا۔ بہر حال وہ اس لڑکی کے بہرے میں ہت کچھ سوچ رہا تھا۔

''آخر اس خط میں کیا لکھا تھا؟''

''اس میں لکھا تھا کہ میری آدھی جائیداد سارجنٹ بالے کو دی جائے۔''

''خدا مرنے والے کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، بلکہ جنت اسمبلی کا ممبر بنائے۔''

''اب تم میرا دماغ مت چاٹ۔''

''لوگ سوچیں گے میدان جنگ سے سکندر دُم دبا کر بھاگ گیا ہے۔''

''میں یہ کیس تمہارے سپرد کر رہا ہوں۔''

''میر...؟'' بالے حیرت سے اچھلا۔ ''خدا آپ کو سارے انڈیا کا پولیس کمشنر بنائے۔ ذرا ایک بار پھر سے فرما دیجیے۔''

''میں یہ کیس تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ تم صرف رؤف کو ساتھ لے سکتے ہو۔''

Akram Allahabadi

''ارے، مگر یہ تو روحوں ووحوں کا کیس ہے۔''

''میں اس قسم کی بکواس پر یقین نہیں کرسکتا۔ ویسے وہ روح یو یا انسان، اس کا تعلق دارالاکبر سے ضرور ہے۔''

''آپ کا شبہ تو ڈاکٹر رشید پر تھا نا؟''

''شبہ وہاں رہنے والے ہر شخص پر کیا جاسکتا ہے، حقائق اور چیز ہیں۔''

''آپ کمپاؤنڈ کے دربان کو کیوں گھور رہے تھے؟''

''اس نے مجھے فوجی سلام کیا تھا۔''

''تو ہوسکتا ہے وہ کسی فوج سے نکلا ہوا ہو۔''

''میں سر دست کچھ نہیں بتاؤں گا، تاوقتیکہ مجھے سرا کبر کی اس گم نام بیوی اور اس کے لڑکے کا سراغ نہ مل جائے۔ یہ فیصلہ اسی وقت کیا جاسکتا ہے کہ سرا کبر کی موت کسی روح کی دہشت سے واقع ہوئی ہے یا کسی اور طرح۔''

''تو پھر خاکسار کو کیوں بھاڑ میں جھونک رہے ہیں؟''

''اگر تم وہاں نہیں جانا چاہتے تو رہنے دو، میں کسی اور کو بھیج دوں گا۔''

''اررر...، یہ کس نے کہا۔ میں تو چاروں ہاتھ پاؤں سے جانے کو تیا ہوں۔ لیکن طریقِ کار کیا ہوگا؟''

''حالات کے مطابق جو تم مناسب سمجھو۔''

''یعنی کہ مجھے آزادی ہے؟''

''تقریباً''

ہائے، چلے نا آپ انگریزوں کی چال۔ اس تقریباً کو نوآبادیات پسندی کہتے ہیں۔ مجھے کرنل ناصر والی آزادی چاہیے۔''

''اور اگر کوئی حماقت کی تو سر روڑ دوں گا۔''

Akram Allahabadi

''میرا کیا جائے گا، ایک بے گناہ کے خون کا الزام آپ پر ہوگا۔''

''اس بندوق کے کندے پر وارنش کیے زیادہ دن نہ گزرے ہوں گے۔''

''میں کیا جانوں، میں پینٹر نہیں ہوں۔''

'' بکومت، اس کی چمک بتاتی ہے۔ اور تازہ وارنش کم از کم آٹھ دس دن تک اتنی تم ہوتی ہے کہ اس پر انگلیوں وغیرہ کے نشانات ضرور پڑ جاتے ہیں، خواہ وہ اتنے مدھم ہی کیوں نہ ہوں کہ محدب شیشے سے دیکھے جا سکیں۔''

''یہ آپ فلسفۂ وارنش کیوں لے بیٹھے؟''

''آج تمہیں سب سے پہلے اس بندوق کے کندے پر اسے پکڑنے والے کی انگلیوں کے نشانات ٹریس کرنے ہوں گے جو ایک ہی شخصیت یا ان دو میں سے ایک کے ہو سکتے ہیں۔''

''یہ الجبرا میری سمجھ میں نہیں آیا۔''

''اگر اس بندوق سے گولی چلانے والا وہی آدمی ہے جس نے اسے کنوئیں میں پھینکا ہوگا تو پہلے اور بعد کے نشانات ایک ہی جیسے ہوں گے اور اگر اس بندوق سے گولی کسی اور نے چلائی ہے اسے کنوئیں میں پھنکا کسی دوسرے نے ہے تو نشانات مختلف ہوں گے اور بعد کے زیادہ ابھرے ہوں گے۔'' خان نے اسے سمجھایا۔

''اور آپ انھیں سراکبر کے فنگر پرنٹس سے ملائیں گے، میں سمجھ گیا۔''

''ہُم۔''

''اور سراکبر کے فنگر پرنٹس۔''

''گدھے، مشکوک قسم کی لاشوں کے فنگر پرنٹس پوسٹ مارٹم سے پہلے ہی لے لیے جاتے ہیں۔''

''بس اور نہ سمجھایے، میں سب سمجھتا ہوں۔''

Akram Allahabadi

''کیا؟''

''ان فنگر پرنٹس کے ذریعے مرحوم کا بینک بیلنس صاف کیا جا سکتا ہے۔''

''اور اگر میں تمہاری کھوپڑی صاف کر دوں۔''

''میں نے یہ کام بحق امپیریل ہیئر کٹنگ سیلون وقف کر دیا ہے۔''

''چپ بیٹھو۔''

''ہائے، کیسے چپ بیٹھوں، مجھے مہاراجہ مہدی قلی خان کی نظم موسمِ 'برشگال' یاد آ رہی ہے۔'' وہ اپنی بے تکی جاری رکھتے ہوئے بولا۔ خان اسے صرف گھور کر رہ گیا۔

''آپ ناحق گھور رہے ہیں، مجھے۔ آخر زبان کا بھی تو کوئی حق ہے ہم پر۔ میں ڈکشنری عرض کر رہا تھا۔''

''بکواس۔''

''سور بکتا ہوگا، بالے صاحب تو فرما رہے ہیں کہ...''

''میں گاڑی سے اتار دوں گا، چھ میل پیدل گھسٹنا پڑے گا۔''

''مگر میں کون سی ناجائز بات کر رہا ہوں۔ آپ خود ہی اس شعریت کے قربان جایئے نا کہ شاعر نے 'برش اور گال' کو کس طرح یکجا کیا ہے۔'' وہ معصومیت سے خان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا اور 'موسم برشگال' کی مٹی پلید ہوتے دیکھ کر خان مسکرایا۔ بالے کا حوصلہ اور بڑھ گیا۔ ''تو آمدم برسرِ مطلب کہ جس طرح کہ برسات میں سپاٹ زمین پر بھی گھاس اُگ آتی ہے، اسی طرح سے مَردوں کے چوکھٹوں پر کالی گھاس یعنی کہ کالے بال۔ چناں چہ شیونگ کے نقطۂ نظر سے اس موسم کو 'برش اور گال' سے تعبیر کر کے شاعر نے دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے اور کوزہ سمندر میں پھینک دیا۔''

''لاحول ولاقوۃ۔'' خان جھنجلا گیا۔

''غلط کہوں تو ہر سزا منظور ہے۔ آپ نے اگر وہ ایک بہت بڑے مشہور شاعر کا شعر

ے مگس کو باغ میں جانے نہ دینا، سنا ہوتا تو آپ خود اندازہ لگا سکتے کہ جس طرح شہد کی مکھی کے باغ می جانے سے پروانوں کا خون ہوسکتا ہے اسی طرح یہ ہرش اور گال کی تشبیہ اور ہر بات، یعنی کہ...''

''شٹ اپ۔'' خان کو غصہ آ گیا۔ ''دماغ چاٹ ڈالا۔

''اوگاڈ۔'' بالے کار کی چھت کو گھور کر بولا۔ ''اس سارجھٹی سے تو اچھا تھا کہ جانثار اختر بنایا ہوتا۔''

''اب ایک لفظ بولے تو یہیں گاڑی سے اتار دوں گا۔''

''میں بولوں گا ہی نہیں۔'' بالے نے اپنی پیٹھ خان کی طرف کر لی۔

☆☆☆☆☆☆

خان اور بالے کے رخصت ہونے کے بعد ہی اکبر پور کے معزز باشندے سر اکبر کی تعزیت کے لیے آ پہنچے۔ مانی نے انھیں ہال میں ہی کرسیوں پر بٹھا دیا اور یہ ایک طرح کا دربار نظر آنے لگا۔ شہزاد کی طبیعت خود بھی اس وقت بوجھل تھی اور غزالہ تو پہلے ہی نڈھال سی تھی، لیکن اخلاقاً انھیں باہر آنا پڑا۔ ان میں اکبر پور اور سر اکبر کی جاگیروں کے دوسرے چھوٹے زمینداروں کے علاوہ علاقے کے تحصیل دار اور تاجر وغیرہ تھے۔ کچھ سر اکبر کے دوست بھی تھے۔

''جس طرح سر اکبر کی موت واقع ہوئی تھی اس پر سب نے ہی اظہارِ حیرت کیا، لیکن وہ اس ماحول کے لوگ تھے جو کسی حد تک پڑھے لکھے بھی ہو کر روحوں، آسیبوں اور مافوق الفطرت باتوں پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ طرح طرح کی تجویزیں پیش کرنے لگے۔ اکبر پور کے چودھری نذر علی تو پیچھے پڑ گئے کہ اس گھر میں کسی پہنچے ہوئے پیر فقیر کے قدم آنے چاہئیں ورنہ ہوسکتا ہے یہ آسیب پیچھے ہی پڑ جائے۔ ٹھاکر کرشن دت نے مشورہ دیا کہ یہ کوٹھی ہی خالی کر دی

جائے ،لیکن باپ کی موت کے بعد شہزاد اتنا دل برداشتہ ہو چکا تھا کہ اس نے اس مشورے کو رد کردیا۔ویسے بھی اوّل تو سراکبر کا چالیسواں کیے بغیر وہ یہاں سے نہیں جاسکتے تھے اور پھر جس عمارت میں وہ پچھلے پانچ برس سے امن وسکون سے رہتے آئے تھے، اسے اس طرح یکا یک چھوڑ دیان بھی انھیں پسند نہیں تھا۔وشرام پنڈت نے خود ہی....لگا کر بھوت بھگانے کی پیشکش کی۔لیکن اتنے بہت سے خیالات کے درمیان شہزاد اور غزالہ اپنے سادہ مزاج کے سبب تذبذب میں پڑ کر رہ گئے۔

بہر حال رسمی اظہارِ تعزیت کے بعد وہ تمام لوگ رخصت ہو گئے۔

''غزلی، ہونے والی بات تو ہو چکی ہے۔ابا حضور ہمارے رونے دھونے سے واپس نہیں آئیں گے۔تم اب جا کر کچھ دیر آرام کرلو۔ میں کارونر سے ان کی لاش لینے شہر جارہا ہوں۔''شہزاد نے پیار بہن کو سمجھایا اور وہ بغیر کچھ جواب دیے خموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ہدایت کے مطابق ڈرائیور شہزاد کی کار پورٹیکو میں لاکر کھڑی کر چکا تھا۔شہزاد معمولی سے سادہ کپڑے پہن کر اسی وقت شہر روانہ ہو گیا۔

معصوم غزالہ کا تنہا سا دماغ اس وقت مختلف خیالوں کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔خصوصاً ڈاکٹر رشید کے بارے میں وہ عجیب سی الجھن میں پڑ گئی تھی۔فرشتوں جیسی معصوم شکل رکھنے والا یہ ڈاکٹر یہ کیا اتنا بے رحم بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے باپ کا خون یا موت کی سازش کرے۔اس کا ذہن بار بار اسی ایک سوال پر دوڑ رہا تھا۔پھر جب اس دوران میں اسے سراکبر اور ان کی پدری شفقتیں یاد آجاتیں تو اس کے آنسو پھوٹ پڑتے اور دل رونے لگتا۔وہ دیوار پر لگی ہوئی باپ کی تصویر کو دیکھ دیکھ کر اور روتی جاتی، لیکن اس وقت وہ چونک پڑی جب کسی نے پشت سے اس کے سر پر نرمی سے ہاتھ پھیرا۔

''صاحبزادی، اس طرح جی ہلکان کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔''ایک بھاری آواز اسے سنائی دی۔اس نے پلٹ کر دیکھا۔مانی اس کی پشت پر تصویرِ غم بنا کھڑا تھا۔

''دکھ مجھے بھی ہے۔ایسا مالک پھر نہیں مل سکتا۔لیکن دیکھیے میں کس طرح ضبط سے کام لے رہا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے مانی کی پلکیں تم آلود ہو گئیں۔

''مانی صاحب۔'' وہ اس کی ہتھیلیوں پر ہی سر رکھ کر پھر رو پڑی۔

''صبر سے کام لیجیے، صاحبزادی، میں زندگی بھر آپ لوگوں کی خدمت کے لیے موجود ہوں۔'' مانی نے پھر اسے سمجھایا۔

''کاش ابا حضور کی مجھے آجاتی۔وہ کتنے پیارے باپ تھے۔''

''ایک نہ ایک دن تو والدین کا سایہ سر سے اٹھتا ہی ہے، صاحبزادی۔ہمیں خدا سے ان کی مغفرت کی دعائیں کرنی چاہئیں۔''

وہ اسے سمجھا ہی رہا تھا کہ ملازمہ سلیمہ اندر آ پہنچی۔

''صاحبزادی، آپ کا فون۔'' اس نے ادب سے کہا۔

''جایئے، دیکھیے کون ہے۔'' مانی نے بزرگانہ انداز میں اسے چمکارا اور وہ بادلِ ناخواستہ اٹھ کر باہر کی طرف چل دی۔

اس نے بے دلی سے ریسیور اٹھایا، لیکن دوسری طرف کی آواز سن کر وہ چونک پڑی، وہ ڈاکٹر رشید کی آواز تھی۔

''مس غزالہ، مجھے سخت افسوس ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا۔

''کس بات کا؟'' غزالہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''مجھے سر اکبر کی اچانک رحلت کا بے حد صدمہ ہے، مگر میں پولیس والوں کی وجہ سے وہاں اہلِ تعزیت نہ کر سکا۔'' ڈاکٹر نے کہا اور غزالہ کا چہرہ کسی خیال سے سرخ ہو گیا، اس کی آنکھوں میں ایک نفرت انگیز چمک سی پیدا ہو گئی۔

''بہت خوب، تو آپ اظہارِ تعزیت کر رہے ہیں۔'' وہ جلے ہوئے لہجے میں بولی۔

''آج آپ کس قسم کی باتیں کر رہی ہیں؟ کہیں خدانخواستہ...'' مگر وہ آگے نہ کہہ

سکا، کیوں کہ غزالہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''میرا بھی دماغ خراب ہوگیا ہے۔'' غزالہ نے اپنی طرف سے جملہ مکمل کر دیا۔

''اوہ، آپ نہ جانے کیا سمجھ رہیں ہیں۔''

''وہی جو مجھے پہلے ہی سمجھنا چاہیے تھا۔ مگر میں پہلے آپ کو فرشتہ سمجھی تھی۔'' غزالہ کا جواب تھا۔

''ارے، مگر معاملہ کیا ہے آخر؟'' ڈاکٹر نے حیرت سے سوال کیا۔

آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے غزالہ نے غصے میں ٹیلیفون کا سلسلہ منقطع کر دیا اور اٹھ کر چل دی۔

رات کے ۹ بج چکے تھے اور دارالا کبر کے ایک بھی ملازم نے آج کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ مانی، شہزاد اور غزالہ کو علیحدہ علیحدہ صبر اور ہمت کی تلقین کرتے کرتے تھک گیا تھا، لیکن باپ کی موت کا صدمہ ایسا نہ تھا جو ان نازکی پالی اولادوں کے دلوں سے اس قدر جلد محو ہو جاتا۔ انھوں نے کھانے کو چھونے سے بھی انکار کر دیا اور نوکروں نے بھی اظہار وفاداری میں ان کی تقلید کی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ سر اکبر اور ان کا یہ مختصر خاندان اپنے ملازموں سے بڑے اخلاق اور نرمی سے پیش آتا۔ یہ اور بات تھی کہ سر اکبر ڈسپلن اور مراتب کے ہر حالت میں پابند تھے اور ان کی ہی اس عادت کی بدولت گھر کا کوئی پرانے سے پرانا نوکر بھی مالکوں کے سر نہیں چڑھ پایا تھا۔ لیکن نیم شاہانہ ٹھاٹ باٹ کے اس ماحول میں ملازموں کو بھی کسی با اصول انگریز گورنر کی ملازمت جیسا لطف آتا تھا۔ شہزاد اگرچہ گریجویٹ ہو کر قانون کی تعلیم لے رہا تھا اور غزالہ بھی انٹر پاس کر کے تعلیم چھوڑ چکی تھی، لیکن تعلیم یافتہ اور مہذب ماحول کے باوجود وہ اس پرانی ہندوستانی ذہنیت سے زیادہ دور نہ تھے، جو اس دور میں بھی کسی حد تک توہمات اور تقدیر کی قائل تھی۔ سپرنٹنڈنٹ خان کے آخری الفاظ نے کہ یہ کیس دہشت سے واقع ہونے والی موت کا معلوم ہوتا ہے، ان کے دلوں پر ابھی اس آسیبی دہشت کو کچھ نہ کچھ مسلط ہی کر دیا تھا، جس پر وہ

پہلے یقین کرنے کو تیار نہ تھے۔شہزاد یہ سوچ رہا تھا کہ ہوسکتا ہے مانی کے بیان کے مطابق اس اجنبی کی روح نے اس کے باپ سے اپنا انتقام لیا ہو جوان کی گولی سے ہلاک ہوا تھا اور جب اسے یہ خیال آتا تو اسے جھرجھری سی آجاتی۔

ٹھیک نو بج کر ۱۵ منٹ پر احاطے میں ایک کار کے داخل ہونے کی آواز سنائی دی، ملازم باہر نکل پڑے۔کار سے اترنے والوں میں سر اکبر کی مرحومہ بیوی کی رشتے کی بہن،شہزاد اور غزالہ کی خالہ جان اور ان کی نوخیز اور چنچل لڑکی شہوار تھیں۔گھر کے ملازم سب ہی ان سے واقف تھے۔انھوں نے دوڑ کر سامان اتارنا شروع کر دیا۔مانی نے جا کر شہزاد اور غزالہ کو خبر کر دی۔وہ دونوں بھی ان کے استقبال کے لیے باہر آ گئے۔

یہ ایک اتفاق تھا یا تقدیر کی ستم ظریفی کہ سر اکبر مرحوم کی مرحومہ بیوی جس قدر نازک بدن تھیں ان کی رشتے کی بہن،خالہ جان،اتنی ہی فربہ اندام۔سرسری نظر دیکھنے سے وہ کسی قدر گینڈے کی مادہ نظر آتی تھیں،لیکن شکل وصورت اس عمر میں بھی پرکشش تھی۔رنگ کھلا ہوا اور سرخی مائل تھا۔اور کار میں بھی وہ کم از کم دو آدمیوں کی جگہ گھیر کر بیٹھتیں۔ان کے برعکس ان کی لڑکی شہوار اکہرے بدن کی اوسط قد وقامت کی ہنسمکھ اور چنچل لڑکی تھی۔خوب صورتی اس نے اپنی ماں سے ہی پائی تھی۔سر اکبر اپنی بیوی کے اصرار پر مدت پہلے یہ طے کر چکے تھے کہ شہزاد کا رشتہ شہوار سے ہی کیا جائے گا۔

اِس کا علم شہزاد کو بھی تھا اور شہوار کو بھی،لیکن بچپن کے دنوں کے بعد انھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا نہ تھا۔شہوار اپنی ماں کے ساتھ لکھنو میں رہتی تھی اور شہزاد تعلیم کے سلسلے میں علی گڑھ گیا ہوا تھا۔اس وقت جوان کا آمنا سامنا ہوا تو وہ چند لمحوں تک ایک دوسرے کو دیکھتے ہی رہ گئے۔پھر شہوار نے شرما کر نگاہیں جھکا لیں،لیکن شہزاد اس موقع پر اپنی منگیتر کا استقبال پر مسرت مسکراہٹ نہ کر سکا۔غزالہ دوڑ کر 'خالہ جان' کہتی ہوئی شہوار کی ماں سے لپٹ گئی اور سسکیاں لینے لگی اور وہ اسے اپنی توند پر کسی پیوند کی طرح چپکائے چمکار چمکار کر دلاسے دینے لگیں۔

ملازم سامان اندر لے جا چکے تھے۔شہزاد نے آگے بڑھ کر جب خالہ جان کو آداب کیا تو وہ اس کی بلائیں لے کر رو پڑیں۔

''ہائے بیٹے، سرا کبر نے تو ہمیں وہ داغ دیا ہے کو کبھی مٹ نہ سکے گا۔''

''خدا کی مشیت میں کون داخل دے سکتا ہے، خالہ جان۔''شہزاد نے خود ہی انھیں سمجھایا۔شہوار کا سر شرم سے جھکا ہوا تھا۔وہ بار بار کچھ بولنا چاہتی تھی، لیکن بفرطِ حیا نہ بول سکتی۔ البتہ چور نظروں سے وہ بار بار اپنے اس وجیہہ اور خوب رُو منگیتر کو دیکھتی ضرور جاتی تھی۔

وہ انھیں ڈرائنگ روم میں لے آئے۔غزالہ نے سلیمہ کو بلا کر مہمانوں کے غسل کے لیے پانی تیار کرنے کا حکم دیا۔مانی اپنے فرائض کے مطابق مہمانوں کے لیے کمروں وغیرہ کا انتظام کر چکا تھا۔خالہ جان جلد ہی سفری لباس اتارنے چلی گئیں اور غزالہ دوسرے انتظام کے لیے۔اس وقت شہزاد اور شہوار تنہا رہ گئے۔اجنبیت کے احساس سے دونوں ایک دوسرے سے گفتگو کرتے ہوئے جھینپ رہے تھے۔لیکن آغاز شہوار نے ہی کیا۔

''ہم لوگ تار ملتے ہی چل پڑے تھے لیکن افسوس مٹی میں شریک نہ ہو سکے۔''

''میں جانتا تھا کہ آپ لوگوں کو پہنچنے میں دیر لگ جائے گی۔بیٹھیے نا آپ کھڑی کیوں ہیں؟''شہزاد نے اسے صوفے پر بیٹھنے کی پیشکش کی۔

''آپ بھی بیٹھیے۔'' وہ سر ہلا کر بولی اور پھر دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ایک ہی صوفے پر بیٹھ گئے۔

''آپ بہت اداس ہیں اور میں کچھ بھی نہیں کر سکتی۔''شہوار نے بے چینی سے کہا۔

''جی...؟نہیں تو...اور اب اداسی سے فائدہ بھی کیا۔''شہزاد نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

''میں جانتی ہوں۔''شہوار نے سنجیدگی سے کہا۔''ابا جان مرحوم کی رحلت پر میرا بھی یہی حال ہوا تھا۔حالاں کہ اس وقت میں چھوٹی تھی۔''شہوار نے کہا۔

Akram Allahabadi

''مجھے یاد ہے۔اس میں نے آپ کو تسلی دی تھی اور آج آپ مجھے تسلی دے رہیں ہیں۔''شہزاد نے اپنی کیفیت کو کسی قدر سنبھالتے ہوئے کہا۔

''تو اور کون دے گا۔''شہوار کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا، لیکن اپنے جملے کا مطلب خود ہی سمجھ کر وہ بری طرح شرما گئی۔

''شہوار!''شہزاد نے اس کے دونوں ہوا تھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔''تم نے بہت اچھا کیا جو آ گئیں۔''وہ جذباتی اندازِ تکلم میں آپ سے تم پر اتر آیا۔''میں سچ مچ بہت پریشان تھا۔''

''کاش میں آپ کا ہر دکھ بٹا سکوں۔''شہوار پلیں نیچی کر کے بولی۔

''ابا حضور مرحوم کی بھی یہی تمنا تھی۔''شہزاد نے اس کے ہاتھوں کو دبا کر اپنی نگاہیں کمرے کی دیوار پر ٹنگے ہوئے سر اکبر مرحوم کے بڑے پوٹریٹ کی طرف پھیرتے ہوئے کہا اور وہ دونوں خموشی سے اس باوقار انسان کی بارعب تصویر کو دیکھنے لگے، جس نے ۳۲ گاؤں پر شاہانہ انداز میں حکومت کی تھی۔

''ان کی دعاؤں کا سایہ ہمیشہ ہمارے سروں پر رہے گا۔''وہ بڑبڑایا اور انھیں ایسا معلوم ہونے لگا جیسے سر اکبر کی تصویر مسکرا رہی ہو، حالاں کہ وہ صرف روشنی کا عکس تھا جو تصویر پر پڑ رہا تھا۔

اتنے میں سلہمہ آ پہنچی۔غسل کا پانی تیار ہو چکا تھا، شہوار کو جانا پڑا۔نہانے دھونے سے فارغ ہو کر خالہ جان کو سر اکبر کی یاد ذرا اچھی طرح آئی۔وہ تقریباً پندرہ منٹ تک اپنی جسامت کے اعتبار سے موٹی موٹی سسکیاں لیتی رہیں اور اس عرصے میں ان کے دو رومال اور غزالہ کے تین رومال تر ہو گئے، جو زیادہ تر ناک اور کمتر آنسو سے تر ہوئے تھے۔

خالہ جان کے آجانے سے اس قدر تو ہوا کہ انھوں نے غزالہ کو اور شہوار نے شہزاد کو زبردستی کھانا وغیرہ کھلایا اور اس وقت مالی سے لے کر مانی تک بھوکے بیٹھے ہوئے دارالاکبر کے

ملازموں کو کھانا نصیب ہوا۔ان کی بھوکی روحیں یقیناً خالہ جان کو دعائیں دینے لگی ہوں گی۔

رات کو گیارہ بجے تک سرا کبر موحوم کی خوبیوں کے تذکرے رہے، جن میں کبھی کبھی خالہ جان اپنے مرحوم شوہر کا بھی ذکر چھیڑ بیٹھتیں اور پھر ان کی سسکیاں امداد باہمی کا اصول قائم کرتے ہوئے کچھ سرا کبر کے لیے اور کچھ اپنے مرحوم شوہر کے لیے سنائی دینے لگتیں۔

☆☆☆☆☆☆

برسات کی اندھیری رات کا بھیانک سناٹا جب دارالا کبر اور اس کے اطراف پر پھیل گئیں تو کوٹھی کا بوڑھا مالی بھی، جو اب تک پائیں باغ میں اپنے جھونپڑے کے دروازے پر بیٹھا اپنی بوڑھی بیوی کے ساتھ زمانے کے گرم وسرد کی باتیں کرتے کرتے حقے کے لمبے لمبے کش لے رہا تھا، اٹھ کر اندر چلا گیا۔وہ دیر سے سونے کا عادی تھا اور جب وہ سوجاتا تو اس کا مطلب ہوتا کہ پورا دارالا کبر سو رہا ہے۔

ہواؤں کے جھکڑ چل رہے تھے۔لیکن بارش کے آثار نہ تھے، کیوں کہ کہیں کہیں بادل پھٹ گ ء تھے اور اکا دکا ستارے گہرے نیلگوں آسمان کی خلاؤں سے جھانک رہے تھے۔

شہزاد کو نہ جانے کیوں آج نیند نہیں آرہی تھی، اگر چہ اس نے بارش کی سرد ہواؤں کی وجہ سے دروازے کے ساتھ ساتھ کھڑکیاں بھی بند کرالی تھیں، لیکن کھڑکیوں کے شیشوں سے باہر کا پھاٹک، سونا ماحول اس تاریکی میں کافی ہولناک نظر آتا تھا۔وہ اگر اس ماحول اور یہاں کی فضا کے عادی نہ ہوتے تو یقیناً اکبر پور سے تین میل دور اس عمارت میں برسات کی طوفانی راتیں گزارنا پسند نہ کرتے۔

شاید اس لیے اور بھی شہزاد کو نیند نہیں آرہی تھی کہ آج کئی سال کے بعد اس نے شہوار کو دیکھا۔وہ اس کے تصور سے زیادہ حسین اور جاذب نظر نکلی تھی۔اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ

خود بھی اس کے لیے بے قرار رہی تھی ۔ایک ایسا قدرتی لگاؤ جو ان کے شعورِ تحتی میں چھپا ہوا تھا، لیکن جس کا احساس اب تک انھیں نہ ہو سکا تھا، وہ کتنی محبوب ہستی تھی ۔

سرہانے رکھے ہوئے سوئیس اوسلر کے ٹائم پیس کی چھوٹی بڑی سوئیاں ایک اور ۱۲ کے ہندسوں پر پہنچ گئیں اور گھڑی کے اندر سے جل ترنگ بجنے لگا۔شہزاد نے چونک کر وقت دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر لیں ۔اسے اب سو جانا چاہیے، یہ سوچ کر وہ کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

.....

اچانک اس ویران سناٹے کو چیرتی ہوئی ایک عجیب سی آواز اس کے کانوں میں پڑی ۔ایک تیز سرگوشی کی آواز ۔نہ جانے کون کہہ رہا تھا۔

''تم مر جاؤ گے۔''

وہ اکدم اچھل کر بستر سے نیچے آ گیا اور حیران حیران نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

''تم مر جاؤ گے۔''سرگوشی کرتی ہوئی وہی خوف ناک آواز پھر اسے سنائی دی اور اس کے پیر کانپنے لگے ۔اس کے ذہن میں باپ کی موت کا نقشہ گھام گیا اور اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کا دل ڈوب رہا ہے ۔اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا۔پھر سرہانے کی کھڑکی پر اسے ایک سفید سایہ سا لرزتا نظر آیا اور ایک گھٹی گھٹی سی چیخ اس کے حلق میں اٹک گئی۔کھڑکی کے باہر اندھیرے خلاء میں وہ کوئی روح تھی جو ہوا میں لہرا رہی تھی ۔اس کا سفید کفن کسی دوپٹے کے آنچل کی طرح ہوا میں اڑتا نظر آ رہا تھا اور اس کی شکل، اف، وہ بہت بھیانک تھی ۔ایک خشک لمبوترے چہرے پر پڑی ہوئی لاتعداد جھریاں اور ان میں دھنسی ہوئی باریک باریک چمکیلی آنکھیں، کمرے کی روشنی کے اس عکس میں جو کھڑکی کے شیشوں سے چھن کر باہر پڑ رہا تھا، وہ اسے صاف نظر آ رہی تھیں ۔اس کے سر پر کھجور کے خشک ریشوں کی طرح بھورے بال بکھرے ہوئے تھے، لیکن وہ پراسرار، موت کی آواز، اسے اپنے قریب سرگوشی کرتی

سنائی دے رہی تھی۔اور یہ حقیقت تھی کہ آس پاس یا اس کمرے میں اس کے سوا دوسرا وجود نہ تھا۔اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی کی پھیلی رہ گئیں۔

''تم مرجاؤ گے۔''تیسری بار وہی سرگوشی کوتی ہوئی پراسرار آواز پھر سنائی دی اور اب کی بار وہ پوری طاقت سے ایک دل خراش چیخ مار کر وہیں گر پڑا۔

پوری کوٹھی میں بھگدڑ مچ گئی۔غزالہ دونوں ہاتھوں سے شہزاد کے کمرے کا دروازہ پیٹنے لگی۔اسی وقت شہوار بھی گھبرائی ہوئی سی آکر دروازہ پیٹنے میں شامل ہوگئی۔

''ہائے اللہ...!کیا بات ہے....؟کیسی چیخ تھی یہ؟''خالہ جان کی آواز پیچھے سے سنائی دی۔

''بھائی جان کے کمرے سے سنائی دی تھی۔''غزالہ نے لرزتی آواز میں کہا۔

''ارے،خدا کے لیے دوڑو۔نہ جانے کیا ہوا میرے بچے کو۔''خالہ جان چیخ چیخ کر سر پیٹنے لگیں۔نوکر سب حیران حیران سے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔سب کے آخر میں مانی اپنا گون پہنے اور صرف ایک پیر میں سلیپر ڈالے گھبرایا سا کمرے میں داخل ہوا۔

''کیا ہوا؟''

''بھائی جان کے کمرے سے چیخ...''غزالہ اتنا ہی کہہ سکی۔

''مانی نے دوڑ کر دروازہ ڈھکیلا اور جب نہ کھلا تو وہ دونوکروں کو پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا کمرے کے پیچھے کی طرف دوڑا۔

کھڑکی کا شیشہ توڑ کر اندر سے سٹکنی کھولی گئی۔سب سے پہلے مانی نے اندر کود کر دروازہ کھولا اور غزالہ اور شہوار بے تحاشا دوڑ کر اندر داخل ہوئیں۔ان کے پیچھے خالہ جان تھیں، جن کی سسکیاں پہلے سے ہی پھوٹ نکلی تھیں۔

''بے ہوش ہوگئے ہیں،شاید؟''مانی نے شہزاد کی بُھس ٹٹولنے کے بعد اسے سر کی طرف سے اٹھاتے ہوئے کہا۔غزالہ نے شہزاد کا سر جلدی سے اپنے زانو پر لے لیا۔

Akram Allahabadi

پانی وغیرہ چھڑکنے کے بعد شہزاد کو ہوش آ گیا۔ وہ حیران حیران آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

''کیا بات تھی، صاحبزادے؟'' مانی نے جھک کر ادب سے پوچھا۔

''وہ...وہ خوف ناک آواز۔''

''آواز...؟'' وہ سب ہم زبان ہو کر حیرت سے بولے۔

''کیسی آواز ہے؟'' خالہ جان نے چونک کر پوچھا۔

''کسی روح کی آواز...وہ کھڑکی کے باہر ہوا میں لرزتی نظر آ رہی تھی اور...'' شہزاد تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ غزالہ کا چہرہ مارے خوف کے سفید پڑ گیا۔

''ہائے اللہ...، روح...؟'' خالہ جان خوف زدہ ہو کر اچھلیں۔

''اس کی آواز مجھے اندر سنائی دے رہی تھی۔''

''آخر کیا آواز تھی وہ؟'' شہوار نے کچھ نہ سمجھ کر پوچھا۔

''وہ کہہ رہی تھی، 'تم مر جاؤ گے'۔'' شہزاد نے لرزتے لہجے میں بتایا۔

''ہائے اللہ۔'' خالہ جان نے زور سے سین پر ہاتھ مارا۔ ''ارے، کسی پیر فقیر کو بلاؤ۔ اس گھر میں ضرور آسیب ہے، کسی سے جھڑواؤ، پھکواؤ۔'' وہ چیخنے لگیں، لیکن غزالہ گُم سُم سی دیوار کو گھور رہی تھی۔

''اے، تمہیں کیا ہو گیا، بیٹی؟'' خالہ جان نے غزالہ کو جھنجھوڑا۔

''کک...کچھ نہیں۔ اللہ رحم کرے۔'' اس کے منہ سے نکلا۔

''ارے تو ڈر ہی تو گئے ہیں، ایسی کیوں نڈھال ہوتی ہو۔'' خالہ جان نے سمجھایا۔

''آپ نہیں جانتیں، خالہ جان۔ ابا حضور مرحوم کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا، ان کی موت...'' کہتے کہتے غزالہ کی آواز بھرا گئی۔

''اوئی اللہ۔'' خالہ جان بھی خالہ جان بھی لرز گئیں۔ ''تب تو یہ گھر فوراً چھوڑ دینا

چاہیے۔"

"اس طوفان میں کہاں جائیں گے آپ لوگ۔کم از کم یہ رات تو کسی طرح گزار ہی لیجیے، صبح سوچیے گا۔" مانی نے مشورہ دیا۔

اس کے بعد شہزاد کو سنبھال کر باہر ڈرائنگ روم میں لے آیا گیا۔دوسرے نوکر بھی یہاں موجود تھے۔سب لوگ چاروں طرف صوفوں پر چھتر کر بیٹھ گئے۔باورچی نے انگیٹھیاں سلگا کر درمیان میں لا رکھیں اور کچھ دیر تک اس دہشت ناک واقعے کا ذکر رہنے کے بعد خالہ جان نے ان لوگوں کا خوف بانٹنے کے لیے دوسرے تذکرے چھیڑ دیے۔

نیند آتی بھی تھی اور نہیں بھی آتی۔انھیں جب جھونکے آنے لگتے، وہ ذرا سے کھٹکے یا کسی کے کھنکھارنے پر چونک پڑتے۔

یہ دہشت ناک رات اسی طرح دلوں کو دہلاتی گزرتی رہی، یہاں تک کہ ڈرائنگ روم کا بڑا اسٹینڈ کلاک تین بجانے لگا۔اس وقت تک یکجا ہو جانے کی وجہ سے ان کا خوف کافی حد تک دور ہو چکا تھا اور سب ہی نیند کے جھٹکے لینے لگے تھے۔

مگر ایک عجیب سی آواز نے ان سب کو چونکا دیا۔کمرے کا دروازہ سناٹے میں زور سے سنائی دینے والی چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ کھلا اور پھر زور سے بند ہو گیا۔

"ہائے اللہ...!" خالہ جان خوف زدہ ہو کر بولیں۔لیکن شہزاد اس وقت ڈرنے کی بجائے ہمت کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔اس نے جلدی سے دوڑ کر دروازے کے دونوں پٹ کھول دیے، مگر باہر تو کوئی بھی نہ تھا۔

"شاید ہوا..." شہوار نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" شہزاد کہتا ہوا بیٹھ گیا۔حالاں کہ یہ حقیقت تھی کہ اس کا دل اس وقت بری طرح ڈرا ہوا تھا، مگر وہ شہوار کی موجودگی میں اس وقت یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اسے اب کوئی ڈر نہیں ہے، جو کچھ ہوا تھا وہ محض ایک اتفاق تھا۔

Akram Allahabadi

وہ پھر اونگھنے لگے۔ ویسے شہزاد اس وقت بھی بیدار تھا، صرف اس نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں، تا کہ لوگ اسے بھی اونگھتا سمجھیں۔ مانی اور دوسرے نوکر شاید اپنی خواب گاہوں میں سو چکے تھے۔

اس عالم میں انھیں بمشکل دس پندرہ منٹ گزرے ہوں گے کہ وہ پھر اچھل کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ کوئی جیسے اوپری چھت پر چل رہا تھا۔ اس کے قدموں کی دھمک نیچے انھیں صاف سنائی دے رہی تھی۔ سامنے سے پڑتی ہوئی انگیٹھی کے دہکتے انگاروں کی سرخی میں ان کے چہرے بے جان مردوں کی طرح زرد نظر آنے لگے۔

''مم... میں دیکھوں گا کون ہے۔'' شہزاد اٹھتے ہوئے بولا۔ کارنس پر دو دو نالچیں موجود تھیں۔ اس نے ایک نالچ اٹھائی اور دوسرے کمرے سے باپ کی ۳۰۱ بور بندوق نکال کر باہر آ گیا۔

''میں بھی چلتی ہوں، آپ اکیلے نہ جایئے۔'' شہوار بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''دیکھنا، ذرا ہوشیاری سے۔'' خالہ جان نے دونوں کو مشورہ دیا۔

''میں بھی چلوں گی، بھائی جان۔'' غزالہ بھی ضد کرنے لگی۔

''نہیں، تم خالہ جان کے پاس ٹھہرو، ہم ابھی آتے ہیں۔'' شہزاد نے اسے منع کر دیا۔

''جانے دو، بیٹی، اب ایسا ڈر تھوڑی ہے، ان کے ہاتھ میں بندوق ہے۔'' خالہ جان نے کہا اور غزالہ چپ ہو گئی۔

وہ دونوں ہال میں آ کر اوپر کے زینے کی چوٹنی کا سوئچ آن کرتے ہوئے زینہ چڑھنے لگے۔ شہوار کے ساتھ چلتے ہوئے شہزاد کے دل سے ہر وسم کا خود کافور ہو چکا تھا۔ نفسیاتی طور پر ایسے موقعوں پر مرد اپنے معمول سے کچھ زیادہ بہادر نظر آنے لگتا ہے۔ اور یا پھر ایسے رومانی لمحات میں وہ موت کی بھی پروا نہیں کرتا۔

Akram Allahabadi

محتاط انداز میں زینہ طے کرتے ہوئے وہ اوپر پہنچ گئے، لیکن آخری سیڑھی پر قدم رکھتے ہی شہوار چونک کر اس سے لپٹ گئی۔ آخری سیڑھی کے بعد اوپری منزل کے برآمدے کے فرش پر انھیں کسی کا سایہ پڑتا نظر آیا۔ اگر یہ کوئی سنسنی خیز موقع نہ ہوتا تو شاید شہزاد کو اس طرح اپنے سے لپٹا محسوس کر کے فرطِ کیف سے جھوم جاتا، لیکن اس وقت احساسات برعکس تھے۔

اس نے بندوق کا ٹرائیگر چڑھا لیا اور اپنی ٹارچ روشن کرتے ہوئے تیزی سے اسے دائیں طرف گھما دیا۔ لیکن وہاں تو کوئی بھی نہ تھا۔ پورا برآمدہ سونا پڑا تھا۔ یہ بات چند لمحے گم سم کھڑے رہنے کے بعد ان کی سمجھ میں آئی کہ وہ سایہ دراصل برآمدے کے باہر کوٹھی کے پائیں باغ میں کھڑے ہوئے ایک چنار کے درخت کی پھننگ کا سایہ تھا جو باغ کی گھمبے والی روشنی کے عکس کی وجہ سے برآمدے پر پڑ رہا تھا۔ وہ ایک دوسرے کی طرف جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھنے لگے۔

غزالہ اور خالہ جان ایک ہی صوفے پر سمٹی بیٹھی تھیں اور ان کے سامنے انگیٹھی میں انگارے دہک رہے تھے۔ وہ بے چینی سے شہوار اور شہزاد کی واپسی کا انتظار کر رہی تھیں۔

اچانک کوئی سیاہ سی چیز ان کے سروں کے اوپر سے آ کر انگیٹھی پر گری، انگیٹھی الٹ گئی اور وہ سیاہ سی چیز بری طرح چیختی ہوئی ایک طرف بھاگ گئی۔ خوف کی وجہ سے ان دونوں کی آوازیں حلق میں ہی گھٹ کے رہ گئیں۔ ان میں اتنی بھی ہمت نہ تھی کہ گھوم کر دیکھ سکیں کہ وہ شے جو انگیٹھی پر گری تھی وہ باورچی خانے کی پالتو سیاہ بلی تھی، جس کے بالوں کے جلنے کی چراند اب تک آ رہی تھی۔ وہ باہر جا کر بری طرح چیخ رہی تھی۔ اسے کسی نے انگیٹھی پر پھینکا تھا۔ کم از کم ایک منٹ تک خوف سے سکتے کے عالم میں رہنے کے بعد جب ان دونوں نے ایک ساتھ پلٹ کر پیچھے دیکھا تو پیچھے کی کھڑکیاں بھی بند تھیں۔ دروازے سے کسی کے آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا، کیوں کہ وہ سامنے تھا اور اگر کوئی تیسرا آدمی کمرے میں داخل ہوتا تو انھیں ضرور نظر آتا۔

سوئے ہوئے نوکروں کو جگانے کے لیے ان کے کوارٹروں تک جانا بھی ان دونوں کے لیے ناممکن تھا۔ بہر حال ڈرتے ڈرتے غزالہ اٹھی اور دبے قدم دروازے تک پہنچ گئی۔ وہ دروازہ اندر سے بند کرنا چاہتی تھی، مگر جیسے ہی اس نے اسے بند کرنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا وہ چیخ مار کر پیچھے ہٹ گئی، نہ جانے کون سی سفید سی چیز دروازے کے سامنے سے لہرا کر نکل گئی تھی۔ اس نے جی کڑا کر کے بڑے زور سے دروازہ بند کیا اور بھاگتی ہوئی خالہ جان کے پاس آ کر صوفے پر گر پڑی۔ اس کی سانس پھول گئی تھی۔

''کک... کیا چیز تھی؟''

''نہ جانے کیا سفید سا... بس نظر آیا اور غائب ہو گیا۔'' اس نے ہانپتے ہوئے بتایا۔

''میں کہتی ہوں اس گھر میں ضرور کوئی آسیب ہے۔ تم لوگوں نے کسی مولوی صاحب کو کیوں نہیں بلوایا۔'' خالہ جان نے غزالہ سے پوچھا۔

''ہمیں کی امعلوم تھا کہ یہ سب کچھ ہونے والا ہے۔'' غزالہ سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''ابا حضور کی بات کو کوئی صحیح نہیں جانتا تھا، مگر وہ سچ کہتے تھے۔''

''یا اللہ رحم کر۔'' خالہ جان دعا مانگنے لگیں۔ ان کی جان آدھی ہوئی جا رہی تھی۔

ٹھیک اسی وقت ایک اور عجیب بات ہو گئی۔ ابھی ابھی انھوں نے پیچھے پلٹ کر جب دیکھا تو سر اکبر کی آرام کرسی، جس پر وہ اکثر کھانے کے بعد بیٹھا کرتے تھے، پیچھے دیوار کے ساتھ رکھی ہوئی تھی، لیکن اس وقت غزالہ نے کہیں خفیف سی سرسراہٹ سن کر دائیں طرف گھوم کر دیکھا تو اسے وہ کرسی صوفے کے پاس رکھی نظر آئی۔ مگر اس لمحے تو وہ چیخ مار کر ایک دوسرے سے لپٹ گئیں، جب انھوں نے سر اکبر مرحوم کے ہیٹ کو زمین پر کسی زندہ چیز کی طرح دوڑتے دیکھا۔ یہ ہیٹ کچھ دیر پہلے بیگ سٹ پر ٹنگا ہوا تھا۔ وہ ایک دوسرے سے لپٹ کر کانپ رہی تھیں۔ سر اکبر کا ہیٹ زمین پر دوڑتا ہوا الماری والے تاریک کونے میں چلا گیا۔

فرطِ خوف سے ان کا بُرا حال ہو گیا ہوتا، لیکن دروازے پر سنائی دینے والی دستک

نے ان کی کچھ ہمت بندھائی۔

''کک کک کا...کون ہے اے اے..؟'' خالہ جان نے اندر سے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''دروازہ کھولیے نا، بند کیوں کر رکھا ہے؟'' آواز شہزاد کی تھی۔

غزالہ۔''بھائی جان۔'' چیختی ہوئی دوڑی اور جلدی سے اس نے دروازہ کھول دیا۔ شہزاد اپنے ہاتھوں پر بے ہوش شہوار کو اٹھائے ہوئے تھا۔

''ہائے میری بچی، اللہ کیا ہو گیا اسے؟''

''ہوا کچھ نہیں، ڈر کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی تھی۔'' شہزاد نے مرے ہوئے سے لہجے میں کہا۔

''کیا اوپر بھی کچھ ہوا ہے؟'' خالہ جان نے حیرت سے پوچھا۔

''پہلے تو ہم جب اوپر والے ہال میں پہنچے تو چھت سے کوئی سیاہ سی چیز گری، میں نے ٹارچ کی روشنی ڈال کر دیکھا تو وہ باورچی خانے کی سیاہ بلی کی لاش تھی۔'' شہزاد نے بتایا۔

''وہ بلی تو یہاں بھی چلتی انگیٹھی پر آ کر گری تھی۔'' غزالہ نے بتایا۔

''تعجب ہے، اوپر بھی وہی اور نیچے بھی۔'' شہزاد حیرت میں پڑ گیا۔

''بیٹے، میں نے تو بڑے بوڑھوں سے سنا ہے کہ راتوں کو آسیب کالی بلی یا کالے کتے کا بھیس بدل کر گھوما کرتا ہے۔'' خالہ جان نے خود بھی ڈرتے اور دوسروں کو بھی ڈراتے ہوئے کہا۔

''اللہ جانے۔'' غزالہ نے بے بسی سے کہا۔

''شہوار بے ہوش کیسے ہوئی؟'' خالہ جان نے سوال کیا۔

''کیا بتاؤں، خالہ جان۔ میری تو خود سمجھ میں نہیں آ رہا۔ ہم نے پچھلی بار جسے اندھیرے میں ایک ایسے سفید سائے کو باغ کی طرف جاتے دیکھا جو روشنی پڑتے ہی غائب

Akram Allahabadi

ہوگیا۔''

''ہائے اللہ .....،ضرور وہی مردہ ڈرا رہا ہوگا۔ یا اللہ رحم کر۔'' خالہ جان زردسی ہوگئیں۔

''یہ اس کو دیکھ کر بے ہوش ہوگئی تھی۔''شہزاد نے بتایا۔شہزاد اس وقت مانی کو بلانے کے لیے جا ہی رہا تھا کہ مانی خود ہی ایک ٹارچ لیے آپہنچا۔

''میں نے ادھر کسی کی چیخ سنی تھی۔''وہ آتے ہی کہنے لگا۔

''خالہ جان اور غزالہ ڈر گئی تھیں یہاں۔''

''اور حضور کہاں چلے گئے تھے؟''

''میں اور شہوار اوپر گئے تھے۔وہاں سے کچھ آواز سنائی دی تھی۔''

''ایسے خطرناک موقع پر آپ کو اس طرح وہاں نہ جانے چاہیے تھا،صاحبزادے۔''

''نہیں میرے پاس بندوق تھی۔''

''کیا آپ صرف بندوق سے اس نامعلوم آواز کا مقابلہ کرانا چاہتے ہیں۔خدا جانے وہ کیا بلا ہے۔''مانی نے ناصحانہ انداز میں کہا۔

''یہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں کہ یہاں آسیب ہے۔یا تو کسی مولوی ملّا کو بلا کر اسے دور کراؤ نہیں تو چھوڑ دو یہ جگہ۔''خالہ جان بھی بول اٹھیں۔

''خالہ جان،اگر قسمت میں موت لکھی ہے تو اسے سات پردوں میں چھپ کر بھی دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔''شہزاد نے جواب دیا۔ شہوار کو جلد ہی ہوش میں لے آیا گیا۔ہوش میں آتے ہی اس کی نظر سب سے پہلے شہزاد پر پڑی وہ پھر خوف زدہ انداز میں اس سے لپٹ گئی مگر جب اس نے ماں اور دوسروں کی آوازیں سنیں تو چونک کر شرم سے پانی پانی ہوگئی۔باقی رات انھوں نے یکجا ہو کر جاگتے گزاری۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

بن بلائے مہمان

کون ہیں آپ؟ کس کو ملنے کا ہے؟'' اکبر لاج کے دربان نے سویرے سویرے کوٹھی کے احاطے میں داخل ہونے والے ان دونوں اجنبیوں کو ٹوکتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں سادہ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ان کے لباس لمبی لمبی عباؤں اور شرعی پاجاموں پر مشتمل تھے اور سروں پر عمامے باندھے تھے۔ ان میں ایک تنومند اور ایک اوسط قد و جسامت کا آدمی تھا۔ تنومند آدمی کے سر اور داڑھی مونچھوں کے بال سب سفید تھے۔ اس کی داڑھی کافی لمبی اور شکل بارعب تھی، جبکہ اس کا ساتھی اکہرے بدن کا تن درست آدمی تھا۔ اس کا چہرہ بھرا بھرا اور رنگ سانولا تھا، لیکن ساڑھے چار بالوں کی ایک چھوٹی سی داڑھی اور چینیوں جیسی باریک مونچھوں نے اسے اچھا خاصا کارٹون بنا دیا تھا۔ وہ تانگے پر آئے تھے۔ ان کا تانگہ دربان نے احاطے کے دروازے پر ہی روک دیا تھا۔ تانگے میں ایک تیسری سواری اور تھی۔ یہ ایک بندر کا بچہ تھا جو کافی بڑا ہو چکا تھا۔ اس نے بھی باقاعدہ کرتہ پاجامہ اور سر پر دوپلی ٹوپی پہن رکھی تھی۔

''یا حضرت۔'' نوجوان آدمی نے سفید ریش بزرگ کو مخاطب کیا۔ ''اللہ نے اس دربان کو نگاہِ بصیرت نہیں بخشی، یہ ہم سے پوچھ رہا ہے ہم کون ہیں۔''

''ہم اسے معاف کرتے ہیں، کیوں کہ یہ اس کا قصور نہیں، اسے بتا دو۔'' سفید ریش بزرگ نے اپنی سفید داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ بندر کا بچہ اپنی گول گول آنکھوں سے دربان کو گھور رہا تھا۔

''دربان، تم خوش نصیب ہو جو آج پیر و مرشد قبلہ حضرت بابا سمرقند شاہ کا دیدار کر رہے ہو۔'' نوجوان آدمی نے تانگے پر بیٹھے بیٹھے دربان سے کہا۔ لیکن خلافِ توقع دربان کافی نا سمجھ نکلا۔ وہ سمرقند شاہ کی بابائیت کو نہ مان سکا۔

Akram Allahabadi

''ادھر کوئی مزار، درگاہ نہیں ہے، یہ جاگیر صاحب کا کوٹھی ہے۔'' دربان نے منہ بنا کر جواب دیا۔

''تو ہم کب کہہ رہے ہیں کہ یہ گدھوں کا اصطبل ہے۔ شاید تم حضرت کے جلال سے واقف نہیں ہو، نامراد۔ تاؤ پر آ گئے تو تمہیں بھسم کر دیں گے۔'' نوجوان نووارد نے دربان کو دھمکی دی۔

''مگر، صاحب، میں تو نوکر...''

''کس کے نوکر ہو تم؟''

''سرا کبر صاحب جاگیردار کے۔''

''آہا، دیکھیے نا، حضرت، میں نے ٹھیک فرمایا، لاحول ولاقوۃ، عرض کیا تھا ہم اپنی بالکل اپنی منزل پر پہنچے ہیں۔''

''تب تو ہم اس نالائق دربان کو ضرور سزا دلوائیں گے۔'' سفید ریش بزرگ نے فرمایا۔ اور وہ دربان عجیب سی نظروں سے ان کی شکل دیکھنے لگا۔ بندر کا بچہ بھی دربان کو دانت دکھا رہا تھا۔

''برخوردار، قبلہ حضرت سمرقند شاہ بابا، سرا کبر کے پیر و مرشد ہیں۔ اور ان کے ہی یہاں مہمان آئے ہیں۔'' نوجوان آدمی نے دربان کو بتایا۔ وہ اس انکشاف پر سٹ پٹا سا گیا۔

''غلطی ہوئی، حضور۔'' اس نے عفو طلب لہجے میں کہا۔ ''لیکن مالک کا تو...'' وہ کہتے ہوئے رک گیا۔

''مالک کا کیا؟'' نوجوان آدمی نے لاپرواہی سے پوچھا۔

''انتقال ہو گیا، حضور۔''

''اخق... آل... کک... کب؟'' نوجوان آدمی کی آواز حلق میں اٹکنے لگی اور سفید پوش بزرگ حیرت و تعجب سے دربان کی شکل دیکھنے لگا۔

Akram Allahabadi

''پرسوں رات کو، حضور۔'' دربان نے غمگین شکل بنا کر بتایا۔

''ہائے۔'' نوجوان نے اپنا منہ پیٹ کر نعرہ مارا۔ ''تم چلے گئے، سرا کبر، اور ہم سے پوچھا بھی نہیں۔ تب ہی ہماری طبیعت گھبرانے لگی تھی۔ انھوں نے ضرور مرنے سے پہلے ہمیں یاد کیا ہوگا۔

''انا اللہ وانا الیہ راجعون۔'' سفید ریش پیرومرشد نے داڑھی پر شدتِ غم سے ہاتھ پھیر کر فرمایا۔

''آؤ بھائی تانگے والے، گاڑی بڑھاؤ۔ ہائے، سرا کبر۔'' نوجوان مرید نے رخ پلٹ کر تھوک کے آنسو لگاتے ہوئے تانگے والے کو اندر داخل ہونے کے لیے کہا۔ دربان نے اب کوئی باز پرس نہ کی بلکہ وہ انھیں اپنے مرحوم مالک کا پیر اور پیر بھائی سمجھ کر ادب سے ایک طرف ہٹ گیا۔

نوجوان مرید نے دروازے سے جو ہائے واویلا شروع کیا تو کوٹھی کے پورٹیکو تک اس کی ہچکیاں نہ رکھیں۔ سفید ریش مرشدا سے مسلسل صبر کی تلقین فرما رہے تھے۔

''ارے کیا خاف صبر کروں، حضرت۔ میرا تو کلیجہ فق اور منہ شق ہوا جا رہا ہے۔'' وہ بلند آواز میں بولا۔ ''ٹرخانی...، تم بھی رو رہے ہو، ہائے۔'' وہ زبردستی بندر کی آنکھیں پونچھنے لگا، لیکن بندر اسے گھرکی دے کر الگ جا بیٹھا۔

''رونے سے مرنے والی کی روح کو تکلیف ہوتی ہے، برخوردار۔''

''برخوردار ہوں گے آپ۔ آئی ایم ساری، یا پیرومرشد۔ میری روح کو مرحوم کی جدائی سے جو تکلیف ہو رہی ہے اسے کیا کروں۔ اوں اوں... اونہہ...'' اوّل کے دونوں ٹکڑے آہستہ سے کہہ کر باقی ٹکڑے اس نے بلند آواز سے کہے۔ اجنبیوں کی آمد و شور سن کر کوٹھی کے ملازمین باہر جھانکنے لگے تھے۔ مانی تو اس سفید ریش بزرگ کی شخصیت کو پلکیں جھپکا جھپکا کر دیکھنے لگا۔ بازار کا نوکر پورٹیکو میں آ گیا۔

''اللہ تعالیٰ نے ایسے موقعس کے لیے صبر کی ہدایت فرمائی ہے، بیٹھے۔'' پیرومرشد نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے چمکارا۔ایک نہ ایک دن تو سب کو ہی جانا ہے۔آج وہ کل ہماری باری ہے۔''

''آپ کی ہوگی،حضرت۔فدوی کا تو ابھی کوئی ارادہ نہیں۔'' وہ کسی قدر آہستہ آواز میں بولا۔

''لاحول ولاقوۃ۔کیا بدتمیزی ہے،لوگ سنیں گے تو۔'' پیر صاحب کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''سنیں گے سنا کریں۔ہائے سرا کبر،وائے سرا کبر۔خدا پیرومرشد کو بھی یہ دن دکھائے،سرا کبر۔'' لیکن پیرمرشد نے جواب نہ دینے میں ہی عافیت سمجھی،کیوں کہ ان کا تانگہ پورٹیکو میں رکتے ہی اندر سے خبر پا کر مانی آپہنچا تھا۔تانگے والا یا تو بہرہ تھا جو اس نے ان کی گفتگو نہیں سنی تھی یا پھر اس کا دھیان کہیں اور لگا ہوگا،پورٹیکو میں تانگہ روکتے ہوئے ہی اپنے انہماک سے چانکا۔

''آپ؟'' مانی نے حیرت سے ان دونوں کو دیکھا۔پھر وہ بندر کو دیکھنے لگا۔

''ارے دیکھتے کیا ہو،کم بختوں،حضرت کھڑے ہوئے ہیں۔سامان اتارو جلدی سے،ورنہ جنت ہاتھ سے چلی جائے گی۔'' جوان مرید نے پیرومرشد کے بعد تانگے سے اترتے ہوئے کہا۔بندر کا بچہ اب اس کے کندھے پر سوار تھا۔

''جناب،یہ کوئی سرائے نہیں،دارالاکبر ہے۔'' مانی نے آگے بڑھ کر شریفانہ لہجے میں کہا۔

''ساری دنیا سرائے فانی ہے،بچہ۔'' پیرومرشد نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔''ہم سرا کبر سے ملنے آئے تھے۔''

''سرا کبر سے؟'' مانی نے چونک کر کہا۔

Akram Allahabadi

''ارے ہائے، سرا کبر۔ کیا منحوس خبر سنائی ہے دربان نے۔'' نوجوان آدمی نے درمیان میں دردانگیز نعرہ مار کر کہا۔ ''کیا واقعی پیر بھائی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔'' وہ مانی سے ہی پوچھنے لگا۔

''پیر بھائی؟'' مانی کی سمجھ میں نہیں آیا۔

''ارے تم کیا جانو، اجنبی۔ قبلہ بزرگوار پیری و مرشدی شاہ سمرقند بابا، سرا کبر مرحوم کے بھی پیر و مرشد ہیں۔'' اس نے گویا تعارف کرایا۔ ''اور خاکسار ان کا پیر بھائی۔''

''پرسوں بیٹھے بیٹھے ہماری طبیعت اچانک گھبرائی اور ہم نے مراقبے میں جا کر دیکھا تو سرا کبر ہمیں یاد کر رہے تھے۔ افسوس کیا خبر تھی کہ یہ یاد آخری یاد ہوگی۔'' سفید ریش بزرگ نے افسوس زدہ شکل بنا کر کہا۔

''معاف کیجیے گا، محترم بزرگ۔ مجھے معلوم نہ تھا، نہ سرا کبر نے کبھی بتایا، ورنہ مجھ سے یہ گستاخی سرزد نہ ہوتی۔'' مانی نے سادہ لہجے میں معذرت کی۔

''پیری مرشدی بھی کوئی بتانے کی چیز ہے، بھائی صاحب۔ یہ رمز فقیرانہ ہر ایک نہیں جان سکتا۔'' نوجوان آدمی نے اپنی باریک لٹکی ہوئی مونچھوں کے سرے ذرا اونچے کرتے ہوئے کہا۔ ''کاش، یہ دن دیکھنے کو نہ ملتا۔'' وہ پھر غم زدہ بن گیا۔ اور اس کا ٹرخانی حیران آنکھوں سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔

''ارے بھئی، دیکھ کیا رہے ہو۔ سامان اٹھاؤ پیر صاحب کا۔'' مانی نے پیر صاحب کے جاہ جلیلے سے مرعوب ہو کر کہا۔ اور ملازم حکم ملتے ہی سامان اٹھانے لگے۔

اسی وقت پورٹیکو میں آوازیں سن کر اندر سے غزالہ اور شہوار بھی آ پہنچیں۔ خالہ جان ان سے پیچھے تھیں۔ دونوں لڑکیاں ان خدا رسیدہ قسم کے دو نواردوں کو دیکھ کر اس قدر مرعوب تو ہو گئیں کہ انھوں نے براہِ راست کوئی سوال نہیں کیا۔ مگر بندر کو دیکھ کر شہوار کو ہنسی آ گئی۔

''یہ کون ہیں، مانی صاحب؟'' غزالہ نے آہستہ سے مانی سے پوچھا۔

Akram Allahabadi

''لڑکی، ہمیں معلوم ہے تم اس آدمی سے کیا پوچھ رہی ہو۔ یہ ہماری توہین ہے کہ سر اکبر مرحوم کی اولاد ان کے پیرومرشد کو نہ پہچانے۔'' پیر صاحب خود غزالہ کو سرخ سرخ آنکھوں سے گھور کر بول پڑے۔ وہ واقعی ان کی پرجلال آنکھوں سے ڈر گئی۔

''مم... معاف کیجیے، حضور۔ مجھے معلوم نہ تھا۔'' اس نے ڈرے ہوئے انداز میں معذرت کی۔

''ہائے اللہ، میں تو سمجھی تھی مداری آئے ہیں تماشا دکھانے۔'' شہوار نے دانتوں میں انگلی دبا کر کہا۔

''ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض لوگ ہم پر شک کر رہے ہیں۔'' پیر صاحب نے سب کی طرف باری باری دیکھ کر کہا۔ ''ہم ان میلے دل والے آدمیوں کے بیچ نہیں پڑیں گے، آلو بخارا۔'' پیر صاحب نے اپنے شاگرد کو مخاطب کیا۔ اس نام پر کم از کم شہوار تو اپنی ہنسی روکنی ہی پڑی۔

''رحم کیجیے، حضرت۔ اس طرح ناراض نہ ہوئیے۔ سر اکبر کی روح کو تکلیف ہوگی۔'' پیرومرشد کا مرید آلو بخارا ان کا دامن تھام کر التجا کرنے لگا۔ مانی، غزالہ اور شہوار خاموش کھڑے رہے۔ پیر صاحب جو کچھ کہہ رہے تھے ان کے دلوں میں بھی وہی وسوسہ پیدا ہوا تھا لیکن جب ان کے دلوں کی بات پیر صاحب کے لبوں سے نکلی تو وہ چونک پڑے۔

''نہیں، ہم یہاں نہیں رکیں گے۔'' پیر صاحب بھڑک گئے۔ ''یہ جگہ بھی ہمیں آسیب زدہ معلوم ہو رہی ہے۔'' پیر صاحب نے فرمایا اور بندر کے بچے ٹرخانی نے چخ چخ سے ان کی تائید بھی کر دی۔

آسیب زدہ کے الفاظ نے جہاں مانی اور غزالہ کو چونکا دیا۔ وہاں دوسرے بھی پیر صاحب کی روشن ضمیری کے قائل ہونے لگے۔

''یا پیرومرشد، آپ کے قدم جہاں پڑ جائیں گے وہاں سے تو شیطان بھی پناہ مانگے

گا۔'' آلو بخارا نے اپنے پیرومرشد کا دامن مضبوطی سے تھام لیا۔مگر سونے پر سہاگہ ہوئیں خالہ جان۔انھوں نے دالان سے ہی یہ گفتگو سن لی تھی۔وہ بے تحاشا دوڑیں اور پیر صاحب کا دامن تھام کر اس کا بوسہ لے لیا۔

''یا حضرت، آپ کو پہچان لیا ہے۔آپ روشن ضمیر ہیں۔ہم آپ کو نہیں جانے دیں گے۔آپ کو ضرور خدا نے ہماری مدد کے لیے بھیجا ہے۔'' وہ التجا کرنے لگیں۔غزالہ اور شہوار اس منظر کو حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔مانی کی ہمت نہیں ہوئی کہ کچھ بولے۔

''یہ بی بی جنتی ہے۔'' پیر صاحب نے شاگرد آلو بخارا کی طرف دیکھا۔''اس نے ہمیں پہچان لیا۔''

''حضور کی کرامات تو شمال مشرق سے جنوب مشرق تک مشہور ہیں۔غصہ تھوک دیجیے، حضرت۔'' آلو بخارا نے پھر سفارش کی۔

''ہمیں دوہری تکلیف ہو رہی ہے، آلو بخارا۔سرا کبر مرحوم ہمیں بہت عزیز تھے، مگر ان کی یہ اولادیں، ان کے نوکر، لاحول ولاقوۃ۔سب نالائق معلوم ہوتے ہیں۔''

''حضور، معاف کر دیجیے انھیں۔یہ آپ کی ذاتِ گرامی کو کیا پہچانیں۔'' آلو بخارا نے درخواست کی۔

''ہاں، حضور، اندر تشریف لے چلیے۔'' خالہ جان نے بھی خوشامدانہ انداز میں کہا۔مگر پیر صاحب کے کچھ کہنے سے پہلے ہی شہزاد آ گیا۔

''وہ دیکھو، صاحبزادہ بلند اقبال آتا ہے۔مگر اس کے سر پر ہمیں کسی مصیبت کا سایہ نظر آ رہا ہے۔'' پھر سمرقند شاہ نے فرمایا۔پھر وہ اپنی روشن ضمیری کے زعم میں کسی ٹینی مرغے کی طرح اکڑ گئے۔

''جی ہاں، جی ہاں۔آپ تو جانتے ہیں، حضرت۔آپ سے کیا چھپا ہوگا۔'' خالہ جان جلدی سے بولیں۔پھر وہ خود ہی شہزاد سے مخاطب ہو گئیں۔وہ ان انجانے مہمانوں کو تعجب

کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ یہ چوکھٹے اس کے لیے قطعی اجنبی تھے۔

''آداب بجالاؤ، بیٹے۔ جلدی حضرت کے دست بوسی کرو۔ یہ تمہارے ابا حضور مرحوم کے پیرومرشد ہیں۔'' خالہ جان نے اس انداز میں اس سے کہا جیسے وہ خود بھی برسہابرس سے ان ہی پیرومرشد کی مرید رہی ہوں۔ اور پیر صاحب کی انگلیاں اپنی سفید داڑھی کے بالوں میں کنگھیاں کرنے لگیں۔ خالہ جان کے اس اندازِ بیان سے شہزاد بھی مرعوب سا ہوگیا اور اس نے جھک کر پیر صاحب کو مؤدب پیرائے میں آداب کیا۔

''خوش رہو۔ خوش رہو، جانِ اکبر۔ ہمیں تمہاری بیت فکر تھی۔ مرحوم کہا کرتے تھے...''

''ہائے مرحوم....'' آلو بخارا نے بیچ میں نعرہ مار کر بات کاٹ دی اور پھر عنفوانِ شباب میں بیوہ ہوجانے والی عورت کی طرح سسکیاں لینے لگا۔

''ارے، کہا نا کہ صبر کرو، آلو بخارے۔ تمہارے رونے دھونے سے تقدیر کے فیصلے نہیں بدل سکتے۔'' پیر صاحب نے اپنے شاگرد کی اس نامعقول گریہ وزاری پر جھنجلا سے گئے۔

''وہ جو کہا ہے کسی نے، پیرومرشد، کہ گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے۔'' آلو بخارا نے روندھی صورت بنا کر کہا۔ ''کیوں، ٹرخانی؟''

''چولہے میں گیا تمہارا ٹرخانی۔ ہاں تو، بیٹے، ہم کہہ رہے تھے کہ۔'' وہ آلو بخارا کو ڈانٹ کر پھر شہزاد سے مخاطب ہوگئے۔ ''مگر ٹھہرو... تم پر ہمیں کوئی سایۂ بدنظر آرہا ہے۔''

''حضور، سایا نہیں فراک ہوگا... یہ مسلمان لوگ ہیں۔'' آلو بخارا نے آہستہ سے کہا۔

''تم چھپ رہو جی، ہمیں ان کی طرف سے فکر لاحق ہوگئی ہے۔'' پیر صاحب نے اسے پھر ڈانٹ دیا۔

''آپ لوگ اندر تشریف لے چلیں نا۔'' شہزاد نے استقبالیہ انداز میں دونوں ہاتھ

پھیلا کر کہا۔

''اب تو تشریف لے چلیے، حضرت۔ سرا کبر کی روح کی خاطر ہی سہی۔'' آلو بخارا نے بھی اصرار کیا۔

''خیر، تم نے اس مردِ باخدا کا نام لیا ہے تو ہم مجبور ہیں۔ اچھا چلو۔'' یہ کہہ کر پیر صاحب بارات کے نوشہ بنے اندر داخل ہو گئے۔ فرطِ عقیدت سے خالہ جان تو کسی دبیز ایران قالین کی طرح بچھی جا رہی تھیں اور پھر پیر صاحب کی بات بات سے روشن ضمیری بھی تو ٹپکی پڑ رہی تھی۔ انھوں نے اب تک جو کچھ کہا تھا سچ ہی کہا تھا۔

''آلو بخارا، تمھیں وہ کاشغر والا کا جن یاد ہے جسے ہم نے زمین کے تیسرے طبق تک دوڑا کر مارا تھا۔'' پیر صاحب نے کچھ سونگھنے کے انداز میں اپنے نتھنے پھلاتے ہوئے اپنے شاگرد سے کہا۔

''یاد ہے، یا حضرت۔ خوب یاد ہے۔ ایسا خوف ناک جن تو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو حضور کے ناک کان بھی لے اڑا تھا، یہ حضور کا ہی دم تھا کہ اسے مار کر اپنے ناک کان واپس لے لیے۔'' آلو بخارا نے بتایا۔

مانی ان کے مکالمے سن کر عجیب سی نظروں سے انھیں دیکھنے لگا، جیسے وہ انھیں کسی چنڈو خانے کے مجذوب سمجھ رہا ہو۔ لیکن خالہ جان تو ان کی پیری پر ایمان ہی لا چکی تھیں۔ وہ سنتی جاتیں اور 'اے سبحان اللہ' کہہ کر اور زیادہ عقیدت مند ہوتی جاتیں۔

''ہمیں کچھ ایسی ہی بو یہاں بھی آ رہی ہے۔'' پیر و مرشد چلتے چلتے ہال میں رک کر بولے۔ ان کی چوڑی ناک کے نتھنے بار بار پھول کر پچکنے لگے، جیسے کوئی بلی پلاؤ کی خوشبو لے رہی ہو۔

''کیا جن کی؟'' خالہ جان نے اچھل کر پوچھا۔

نیک بی بی، تم ہماری فقیرانہ باتوں میں دخل نہ دو، ہم جناتوں کی خوشبو تک پہچانتے

ہیں۔'' پیر صاحب نے کہا۔

''کیوں نہیں، حضور، میں تو کب سے ان لوگوں سے کہہ رہی ہوں کہ کسی پہنچے ہوئے پیر فقیر کے قدم آجائیں تو یہ وبال کوٹھی سے نکل جائے۔''

''پیر و مرشد تو بہت دور دور تک پہنچے ہوئے ہیں۔'' آلو بخارا نے کہا۔

''ہائے حضور، ہماری تو جان مصیبت میں پڑ گئی ہے۔ نہ جانے کیا بلا گھس آئی ہے اس گھر میں۔'' سب کی بجائے خالہ جان ہی نے الف لیلیٰ شروع کر دی۔ دوسرے خاموش رہے۔

وہ اب سرا کبر کے ڈرائنگ روم میں آکر صوفوں پر بیٹھ گئے۔ دوسرے لوگ ادب سے کھڑے ہوئے تھے۔ آلو بخارا کا ٹرخانی میز پر براجمان ہو گیا۔

''چچ چچ...'' پیر صاحب نے اظہارِ افسوس کیا

''وہ سرا کبر کی جان لے کر اب میرے بچے کے پیچھے پڑا ہے۔'' خالہ جان کا اشارہ بفرطِ محبت شہزاد کی طرف تھا۔

''وہ... یہ وہ کون؟'' پیر صاحب کے مرید آلو بخارا نے پوچھا۔

''نہ جانے نگوڑا، آسیب ہے یا بھوت۔ کل رات تو اس نے ناک میں ہی دم کر دیا۔ ہم لوگوں نے تو ساری رات آنکھوں میں کاٹی ہے۔ کیسی کیسی آوازیں، کیسی کیسی شکلیں۔'' خالہ جان کلی میں پھندنے جوڑتے ہوئے بولیں۔

''اس کی تو ایسی تیسی۔ اب جب پیر و مرشد کے قدم آگئے ہیں، اس کا تو سایہ بھی کوسوں دور بھاگے گا۔''

''ہم لوگ تو آج یہ کوٹھی چھوڑ کر جا رہے ہیں۔'' غزالہ نے کہا۔

''یہ ناممکن ہے محرمہ۔''

''تم ت کے نقطے بھول گئے، بیٹے۔'' پیر صاحب نے شاکر دکی تصحیح کی۔

Akram Allahabadi

''آئی ایم سار، محترمہ۔ اب آپ لوگوں کو ڈرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔ پیر صاحب کی ذرا سی توجہ اس آسیب کو دنیا دے نیست و نابود کر دے گی۔'' آلو بخارا نے دعویٰ کیا۔

''آپ انگریزی بھی بولتے ہیں؟'' شہزاد نے حیرت سے آلو بخارا کی طرف دیکھا۔

''میرے مریدوں میں بفضلِ تعالیٰ، سب پڑھے لکھے اور معزز لوگ ہیں۔'' پیر صاحب خود بولے۔ ''سرا کبر کو ہی دیکھو، ہزاروں میں ایک تھے۔''

''اللہ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔'' آلو بخارا نے باقی جملہ مکمل کر دیا۔ ''ارے، آمین بولیے نا آپ لوگ۔'' وہ دوسروں کو خاموش دیکھ کر بولا۔

''آمین۔'' سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

''سرا کبر مرحوم، قبلہ پیر و مرشد کے اتنے معتقد تھے کہ جب کبھی حضور کے مزار پر، آئی ایم ساری، خانقاہ پر تشریف لے جاتے تو سیڑھیوں سے ہی جوتے اتار کر بغل میں دبا لیا کرتے تھے۔'' آلو بخارا نے پیر صاحب کی شانِ بزرگی کا تذکرہ پھر چھیڑ دیا۔

''کل شہزادمیاں کو بھی وہی آسیبی آواز سنائی دی تھی جو سرا کبر کو سنائی دیتی تھی۔'' خالہ جان نے پیر صاحب سے کہا۔

آسیبی آواز؟'' پیر صاحب چونکے۔

''جی ہاں، کوئی آواز مجھے یہ کہتی سنائی دے رہی تھی کہ 'تم مر جاؤ گے'۔'' شہزاد نے خود ہی بتایا۔۔۔

''میاں، مریں تمہارے دشمن۔ پیر و مرشد کیا مر گئے ہیں جو آسیب وا سیب کی چل جائے گی۔'' پھر صاحب کے نوجوان مرید نے کچھ اس انداز میں کہا کہ پیر صاحب خود اسے غصے سے گھورنے لگے۔

''حضور، کچھ غلطی ہوئی؟''

Akram Allahabadi

''تم اپنا انداز تکلم درست کرو پہلے۔'' پیر صاحب نے ڈانٹا۔

''معافی چاہتا ہوں، یا پیر و مرتد۔'' مرتد کا لفظ اس نے اتنا آہستہ ادا کیا جسے صرف پیر صاحب ہی سن سکے۔

''حضور، قیام فرمائیں گے یہاں؟'' غزالہ کی کنیز نے آکر جھک کر آداب کرتے ہوئے پیر صاحب سے پوچھا۔

''کیا خیال ہے، آلو بخارا؟'' پیر صاحب نے اپنے شاگرد سے پوچھا۔

''حضور کم از کم چالیسواں تو کر کے ہی جانا ہے چاہیے۔ آپ کے ہاتھوں ہوا تو مرحوم کی روح کتنی خوش ہوگی۔'' مرید صاحب نے فرمایا۔

''جی ہاں، حضور، یہ ٹھیک کہتے ہیں۔'' خالہ جان بھی ادب کے ساتھ بولیں۔

''خیر، اگر سب کی یہی مرضی ہے تو یہی سہی۔'' پیر صاحب نے پیر پھیلا دیے۔

''مگر میں تو اب بھی یہی کہوں گی کہ ہمیں یہ مقام چھوڑ دینا چاہیے۔'' شہوار نے شہزاد کی طرف رُخ کر کے کہا۔

''لاحول ولاقوۃ، کتنے ضعیف الاعتقاد ہیں آپ لوگ۔ مجھے دیکھیے، میں ایم اے ایل ٹی ہو کر بھی پیر و مرشد کا دامن نہیں چھوڑتا۔ اور آپ لوگ ان کے سامنے ایسی بے اعتمادی کی بات کہہ رہے ہیں۔'' نوجوان شاگرد آلو بخارا نے ان سب کو پیر صاحب کی عظمت سے متاثر کرنا چاہا۔

''ذرا ہم بھی تو دیکھیں آج، کیسا ہے وہ آسیب۔'' پیر صاحب کی آنکھوں میں یہ کہتے کہتے اچانک جلال آگیا۔

''حضور، جلال میں نہ آیے ورنہ غضب ہو جائے گا۔ صبر سے، یا حضرت۔''

''تم ہمیں مت تلقین کرو، نامعقول۔'' پیر صاحب اس پر بگڑ پڑے۔

''آگئے لاڈ میں۔'' آلو بخارا نے آہستہ سے کہا۔ پھر بلند آواز سے بولا۔ ''خادام

درخواست کر رہا ہے۔"

"ایسا..." پیر صاحب کا جوش ذرا سرد پڑ گیا۔

سرا کبر کے پیر صاحب اور ان کے پیر بھائی کی آمد سے اس میں شک نہیں کہ ان آسیب زدہ لوگوں کو کافی ڈھارس بندھ گئی، مگر شہزاد کو اب تک پوری طرح یقین نہ تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ جس سوسائٹی میں پل کر جوان ہوا تھا وہاں اس قسم کی باتوں کو توہم پسندی اور قدامت پرستی سمجھا جاتا تھا۔ پیر و فقیروں کو ماننا تو کجا، ان کے ذکر کا بھی مذاق اڑایا جاتا۔ مگر سب سے بڑی معتقد نظر آ رہی تھیں خالہ جان۔ اور ویسے بھی مردوں کی نسبت عورتیں ہوتی ہی زیادہ ضعیف الاعتقاد ہیں۔ ان کی ضد کے آگے کسی کی نہ چلی۔

شہزاد نے تو باپ سے کبھی کسی پیر صاحب کا ذکر نہیں سنا تھا، لیکن پھر وہ یہ سوچ کر رہ گیا کہ ممکن ہے ابا حضور نے یہ باتیں بتانا ضروری نہ سمجھا ہو۔ کچھ دیر تک وہ سب اس تذبذب میں پڑے رہے کہ دارالا کبر چھوڑنے کے لیے باندھا ہوا سامان کھولا جائے یا نہ کھولا جائے۔ پیر صاحب اور ان کا مرید آلو بخارا اب خموشی سے ان کے چہروں کے تاثرات پڑھ رہے تھے۔

"پیر صاحب، دال گلتی نظر نہیں معلوم ہو رہی۔" آلو بخارا نے آہستہ سے کہا۔

"اس کا تو باپ بھی گلے گا، تم دیکھتے جاؤ۔" پیر صاحب نے بھی سرگوشی کے لہجے میں فرمایا۔

"آپ جانیے، ویسے دال کا باپ نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔"

"تو پھر ترکیب نمبر سات۔" پیر صاحب نے اشارہ کیا۔

"چلے گی۔" مرید نے کہا۔ پھر وہ اپنے ٹرخانی کی طرف متوجہ ہو گیا، جو صوفے کے بٹھے پر آخر اطمینان سے بیٹھا، گھور گھور کر پیر و مرشد کی داڑھی کے بال گن رہا تھا۔ آلو بخارا نے اس کے سر پر چمکار کر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے نہ جانے کیا اشارہ کیا کہ وہ پیر صاحب کو ایک ٹک گھورتے گھورتے زور سے اچھلا اور 'خول خپ' کا نعرہ مارتا ہوا ان کے کندھے پر پہنچ گیا۔ اس

نے زور زور سے اچھلنا، چیخنا اور پیر صاحب کے سر کے بال نوچنا شروع کر دیا۔

''ارے ارے ارے، بدتمیز، پاجی، ابھی تک تمہارا دماغ صحیح نہیں ہوا۔'' پیر صاحب اسے دونوں ہاتھوں سے تھام کر زمین پر پھینکتے ہوئے غصے سے بولے۔ ''میں اسے جلا کر خاک کر دوں گا۔''

''نہیں نہیں، حضور۔ ایسا نہ کیجیے۔ خدا کے لیے جلال میں نہ آیئے۔ بے چارہ جوشِ انتقام میں ایسی غلطیاں کر بیٹھتا ہے۔ میں سمجھا دوں گا۔''

''جوشِ انتقام میں...'' غزالہ نے چونک کر پوچھا۔

''ارے آپ نہیں سمجھیں گی اس راز کو۔ یہ بڑا بدنصیب شخص ہے۔''

''شخص...؟ یہ بندر...؟'' غزالہ ہنس پڑی اور آلو بخارا کی نظریں اس کے موتی جیسے دانتوں پر جم گئیں۔ بندر کا لفظ سنتے ہی ٹرخانی کو یاد آ گیا اس نے غزالہ کی طرف چمکتی گول آنکھوں سے دیکھا اور پھر آگے جھک کر۔ ''خیاؤں، خیاؤں اب۔'' کرتا ہوا اس پر اچھلنا ہی چاہتا تھا کہ آلو بخارا نے اس کی کمر تھام لی۔

''نہیں، بھائی ٹرخانی۔ ان پر غصہ مت کرو، یہ تمہاری کہانی سے واقف نہیں ہیں۔''

''ٹرخانی...؟ کہانی...؟'' شہوار بھی دلچسپ نظروں سے بندر اور آلو بخارا کو دیکھی ہوئی ادھر گھوم پڑی اور دوسرے بھی متوجہ ہو گئے۔

''حضور، اجازت دیں تو بتا دوں۔'' آلو بخارا نے پیر و مرشد سے اجازت طلب کی۔

''تم بہت حد سے بڑھے جا رہے ہو، آلو بخارا۔ خیر اس بار اجازت دیتے ہیں ہم۔'' پیر صاحب نے کچھ غصے، کچھ نرمی سے کہا۔

''صاحبو! اس عجیب مخلوق، یعنی کہ بدنصیب ٹرخانی کی داستانِ حیرت بیان اگر آپ سنیں گے تو عش عش کر اٹھیں گے، بلکہ ممکن ہے کہ غش غش بھی کر اٹھیں۔'' وہ کسی داستان گو کے

انداز میں بندر کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کی کہانی سنانے لگا۔

''اس بے چارے کا اصل نام یاقوت جنّی ہے، کیوں ٹرخانی؟'' یہ کہتے ہوئے اس نے بندر کے بچے سے سر ہلا کر سوال کیا، جس کے جواب میں بندر کے بچے نے اثبات میں گردن ہلا دی اور وہ سب حیرت سے چونک پڑے۔

''یہاں سے بہت دور، اکرم پور گاؤں میں...''

''وکرم پور۔'' پیر صاحب نے لقمہ دیا۔

''آئی ایم ساری، مجھے حضور کے چچا کا نام یاد آ گیا تھا۔'' آلو بخارا نے کہا۔ پیر صاحب اس جملے پر جز بز ہو کر رہ گئے۔ ''جی ہاں وکرم پور گاؤں میں۔'' وہ پھر کہنے لگا۔ ''یہ کم بخت بلکہ سیاہ بخت، ایک مدرسے کے مولوی صاحب کی خوب صورت لڑکی پر عاشق ہو گیا تھا۔ گستاخی معاف کوئی صاحب برا نہ مانیں۔'' وہ ان سب کی طرف نظریں گھما کر بولا۔

''نہیں نہیں، آپ کہیے۔'' شہزاد نے بھی دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

''بے چارہ بس دن رات اسی کے گرد منڈلاتا رہتا۔ کیوں ٹرخانی؟''

اس نے تصدیق کے لیے پھر بندر کے بچے سے پوچھا۔ جس پر بندر کے بچے نے اثبات میں سر ہلا کر زور سے اپنے سینے پر ہاتھ مارا اور آنکھیں پھرا کر وہیں صوفے پر لیٹ گیا۔

''دیکھا آپ نے، غریب فرطِ غم سے بے ہوش ہو گیا۔'' وہ اس کے جسم پر ہلکے ہلکے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔ اور واقعی بندر کی اس حرکت نے ان سب کو حیرت میں ڈال دیا۔ اور کوئی نہ سہی کم از کم خالہ خان پوری طرح اور غزالہ اور شہوار پچاس پچاس فیصدی اس داستانِ حیرت پر یقین کرنے لگیں۔ شہزاد اب تک معلّق تھا اور مانی کسی کام سے باہر چلا گیا تھا۔

''چچ چچ۔'' خالہ جان نے اظہارِ افسوس کیا۔

''بس دن رات آہیں بھرتا اور جب دیکھیے تب اس لڑکی کے سر پر آ جاتا۔''

''سر پر؟'' شہوار نے حیرت سے پوچھا۔

Akram Allahabadi

''جی ہاں، جن سروں پر ہی آتے ہیں۔'' اس نے سادگی سے بتایا۔

''اے اللہ، تو پھر کیا ہوا؟'' غزالہ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں پر اپنا چاند سا چہرہ ٹیکتے ہوئے پوچھا۔

اس کی یہ ادا آلو بخارا کو کچھ ایسی بھلی لگی کہ وہ چند سیکنڈ تک اسے دیکھتا رہ گیا۔ مگر جیسے ہی غزالہ چونکی آلو بخارا نے بڑی چالاکی سے نظریں ترچھی کر کے دیوار پر گاڑ دیں، جیسے کسی گہرے خیال میں غرق ہو گیا ہو۔

''نہ پوچھیے صاحب، جب یہ اس لڑکی پر آتا، وہ بے چاری کام کاج چھوڑ کر اپنے مکان کے صحن میں کھڑے ہوئے کھجور کے درخت سے کشتی لڑنے لگتی۔

''کشتی؟'' خالہ جان نے اچنبھے سے سوال کیا۔

''جی ہاں۔ آپ نے شاید کسی پر جن کو آتے نہیں دیکھا ہے۔''

''اچھا تو پھر؟'' وہ سراپا متوجہ ہو کر بولیں۔

''بے چارے مولوی صاحب گنڈے تعویذیں کر کے تنگ آ گئے۔ یہ یاقوت جنّی بھی کچھ مولوی نہیں تھا۔ وہ وہ پینترے بدلے کہ سب گنڈے تعویذ والے دم دبا کر بھاگ نکلے۔''

''ارے واہ۔'' خالہ جان نے صوفے پر آنکھیں بند کیے بے ہوش پڑے ہوئے ٹرخانی کو گھورتے ہوئے کہا۔

''آخر کسی نے مولوی صاحب کو قبلہ حضور سمرقند شاہ بابا کا پتا بتا دیا۔ وہ وہیں سے ننگے پیر ننگے سر ان کی دہائی دیتا ہوا بھاگا۔ اس وقت حضرت مراقبے میں تھے۔ خبر ہو گئی تو فوراً چونک کر مجھ سے کہا، چلو وکرم پور چلیں گے، کیوں حضور، درست فرما رہا ہوں۔'' اب کی بار اس نے پیر صاحب سے ہی تصدیق طلب کی۔

''مجھے اپنی بڑائی قطعی پسند نہیں۔'' پیر صاحب نے برا سا منہ بنایا۔ ''بڑائی کے لائق

ذات صرف خداوند قدوس کی ہے۔ میں تو ایک حقیر ترین کیڑا ہوں۔'' پیر صاحب نے عین خاکساری سے فرمایا۔

''سبحان اللہ، سبحان اللہ۔ کیا منکسر المزاجی ہے، حضور کی۔'' آلو بخارا نے پھڑک کر کہا۔

''حضور اتنے بلند اقبال ہوتے ہوئے بھی خود کو نابدان کا کیڑا سمجھتے ہیں۔'' اس نے گویا پیر و مرشد کی تعریف کی۔

''بدتمیز۔'' پیر صاحب نے اسے گھورا۔

''کچھ گستاخی ہوئی، حضور؟''

''ہم نے نابدان کب کہا تھا؟'' پیر صاحب نے اسے گھور کر پوچھا۔

''میں تو منکسر المزاجی کی مثال دے رہا تھا، حضرت۔ یہ خادم کی اجانے حضور کہ رموز کہ حضور کس ذات کے کیڑے کہلانا پسند فرمائیں گے۔'' آلو بخارا نے بڑی عاجزی سے کہا۔

''معلوم ہے۔''

ان کی اس گفتگو پر اگرچہ غزالہ اور شہوار کو بے اختیار ہنسی آئی، لیکن وہ بہ پاس ادب اسے روک کر رہ گئیں۔ شہزادا البتہ بور ہونے لگا۔ مگر خالہ جان تو اس تذکرے پر قربان ہوئی جا رہی تھیں۔

''بیان جاری رکھتا ہوں۔'' آلو بخارا پھر ان کی طرف متوجہ ہوا۔ ''تو میں کہہ رہا تھا کہ پیر و مرشد اسی وقت فدوی کو ساتھ لے کر وکرام پور چل پڑے۔ مولوی صاحب سے راستے میں ہی ملاقات ہو گئی اور انھیں جب معلوم ہوا کہ قبلہ مراقبے میں سب کچھ دیکھ کر تشریف لا رہے ہیں تو وہ عقیدت سے بچھ بچھ گیا، کیوں حضور؟'' آلو بخارا نے پھر پیر صاحب سے تصدیق طلب کی۔

Akram Allahabadi

''ہم سے مت پوچھا۔'' پیر صاحب نے شانِ بے نیازی سے کہا۔

''اور صاحبو، یاقت جنّی کو جیسے ہی پیر و مرشد کی آمد کا علم ہوا اس کی سٹی گم ہوگئی۔'' آلو بخارا نے اتنا ہی کہا تھا کہ شاید بے ہوشی میں بھی ٹرخانی کو اپنی اس بے عزتی پر جوش آ گیا۔ وہ اچھل کر اٹھ بیٹھا اور دونوں ہاتھ سامنے کی طرف ٹیک کر آلو بخارا پر کھوکھیانے لگا۔

''دیکھا آپ نے، سچی بات کیسی کڑوی لگی بیٹے کو۔'' آلو بخارا نے دوسروں کو دکھایا اور بندر کی یہ حرکت بھی ان کی حیرت میں اضافہ کیے بغیر نہ رہ سکی۔

''چناں چہ پیر و مرشد کے آتے ہی ان میں یاقوت جنّی میں لڑائی ٹھن گئی۔''

''لڑائی؟'' خالہ جان نے سوال کیا۔

''ہاں صاحب، باقاعدہ جنگ۔ یہ لڑکی کو چھوڑ کر پیر صاحب پر بھیڑیا بن کر لپکا۔ پیر و مرشد لوٹ پوٹ کر شیر بن گئے۔ یاقوت جنی نے پھر زمین پر لوٹ کر بھینسے کا بھیس لیا تو پیر و مرشد سانڈ بن گئے۔''

''نامعقول، دونوں ایک ہی چیزیں ہیں۔'' پیر صاحب کو لقمہ دینا پڑا۔

''] آئی ایم ساری، میں بھول گیا شاید، اوہاں، حضور گینڈے بن گئے تھے۔''

اس جملے پر جہاں خالہ جان کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا وہاں غزالہ اور شہوار کا قہقہہ چھوٹ گیا۔

''لڑکیو، یہ گستاخی ہے۔'' پیر صاحب نے اپنی سرخ آنکھوں سے انھیں گھور کر ڈانٹا اور واقعی وہ ڈر کر چپ ہوگئیں۔ ''تم اللہ والوں کا مذاق اڑاتی ہو۔''

''ایسا نہ سوچیے، حضور، نادان بچیاں ہیں۔'' خالہ جان نے سہم کر جلدی سے ان کی خوشامد شروع کر دی۔

''ہم جانتے ہیں۔'' پیر صاحب مسکرا دیے۔

''تمہارے تو فرشتے بھی جانتے ہوں گے، پیر صاحب۔'' آلو بخارا دانت بھینچ کر

آہستہ سے بولا۔پھر جلدی سے اس نے رخ دوسروں کی طرف کرلیا۔

''ہاں صاحب،تو پھر وہ یعنی کہ یاقوت، آئی ایم ساری، یاقوت جنی، جلدی سے سانپ بن کر درخت پر چڑھ گیا اور حضور فوراً نیولا بن گئے۔''

''ہائے اللہ۔''خالہ جان نے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''دونوں میں خوب چلی، کبھی پیر و مرشد اسے کاٹ کھاتے تھے اور کبھی وہ پیر و مرشد کو۔اور جب یوں بھی فیصلہ نہ ہوا تو دونوں لوٹ پوٹ کر مرغے بن گئے۔''

''مرغے؟''اب کی بار آواز شہزاد کے حلق سے نکلی تھی۔شاید وہ اپنی ہنسی روکنے کی کوشش کی انتہا پر پہنچ چکا تھا۔

''آپ مذاق سمجھ رہے ہیں کیا؟ کسی جن سے ٹکر ہو جائے پھر دیکھیے گا، حضور کیا کی ابن جاتے ہیں۔''

''اچھا تو پھر کیا ہوا؟''

''جب یاقوت جنی لڑتے لڑتے تھک گیا تو بندر بن کر اچھلتا ہوا بھاگا۔اس وقت حضور پیر و مرشد نے جلدی سے زمین پر چونچ ماری اور سر اٹھا کر نارزن بن گئے۔''

''نارزن!''شہزاد کا اب قہقہہ چھوٹ گیا۔

''آپ ہنس رہے ہیں، صاحبزادے۔حالاں کہ یہ حقیقت ہے۔اور اگر کو موقع پڑا تو آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔'' آلو بخارا کے اس دعوے نے دوسروں کو اچنبھے میں ڈال دیا اور کالہ ضان تو صدقِ دل سے اس روایت کی قائل ہو گئیں۔

''بس اب کی بار حضور نے اسے ماہیت بدلنے ہی نہیں دی۔نقش ۴۱۵ کا ورد کیا اور جو کنکریاں کھینچ کر ماریں تو یاقوت جنی اپاہج ہو کر گر پڑا۔اور تب سے وہ بندر ہی بنا ہوا ہے، بے چارہ۔''یہ کہہ کر جب اس نے ٹرخانی کی طرف دیکھا تو وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پیٹنے لگا تھا۔

''اب جب تک پیر صاحب نہ چاہیں گے، یہ اسی طرح رہے گا۔میں نے تو بہت

سفارش کی، پر حضور کا غصہ ہی نہیں اترتا۔''

''ہائے، دیکھیے نا بے چارہ کیسا سر پیٹ رہا ہے، چچ چچ۔'' خالہ جان نے اظہارِ افسوس کیا۔

''یہ تو کچھ بھی نہیں محترمہ۔'' آلو بخارا نے کہا۔ ''کبھی کبھی تو بے چارہ آدھی رات کو اٹھ کر رویا کرتا ہے۔''

''حضور، یہاں کے آسیب کی بھی خبر لیجیے نا۔'' خالہ جان نے پیرومرشد سے گزارش کی۔

''ہاں ہاں، کیوں نہیں، کیوں نہیں۔ وہ کی ا کہتے ہیں کہ ایک اصیل مرغا اور ہدہد کی چونچ منگا لیے پہلے۔'' پیرومرشد نے بڑے رعب وداب سے فرمایا۔

''یہاں اصیل مرغا کہاں ہوتا ہے؟''

''ہوتا کیوں نہیں، شہر میں کہیں کہیں ہوتا ہے۔ ویسے دوسرا بھی چلے گا، مگر رنگ سانولا چاہیے۔'' پیر صاحب بولے۔

''یعنی ہلکا کالا۔'' آلو بخارا نے بات پوری کر دی۔ لیکن حضرت ہدہد کی چونچ تو میرے پاس موجود ہے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔ مشک، زعفران، زیرہ، مونگ وغیرہ بھی تو ہوں گے تمہارے پاس، اور رائی کے دانے۔''

''جی ہاں سب کچھ ہے۔''

''بس تو آج ہم اس آسیب کی خبر لیں گے۔ آپ لوگ بہت آرام سے یہاں رہیں۔'' پیرومرشد نے انھیں یقین دلایا۔ ''کسی کو کچھ نہ ہوگا۔''

مگر ان کی اس یقین دہانی کے باوجود شہزاد مطمئن نہ ہوا۔ ''ہونہہ، بکواس۔'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

Akram Allahabadi

''اگر پیر صاحب یہی چاہتے ہیں تو وہ یہاں شوق سے تشریف رکھیں، ہم لوگوں کو یہ جگہ چھوڑ دینی ہے چاہیے، امی جان۔'' شہوار نے شہزاد کی ترجمانی کی۔لیکن اسی وقت مانی آپہنچا۔

''صاحبزادے۔آپ کا فون۔'' اس نے ادب سے سر کو ذرا سا خم کر کے کہا۔

''اوہ، ابھی آیا۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

جب وہ ٹیلی فون پر آیا تو دوسری طرف سے سنائی دینے والی آواز اس کے لیے غیر مانوس تھی۔

''ہیلو، میں شہزاد بول رہا ہوں۔''

''تو سنو، سانپ کے بچے، تم بہت جلد مر جاؤ گے۔'' دوسری طرف سے سرگوشی کرتی ہوئی وہی پراسرار آواز سنائی دی اور شہزاد کا چہرہ زرد پڑ گیا۔

''تت...تم کون ہو...؟'' اس نے بڑی ہمت کر کے پوچھا۔

''میں اس بے گناہ کی روح ہوں جسے تمہارے باپ نے گولی ماردی تھی۔'' دوسری طرف سے جواب ملا۔

''مم...مگر...میں نے...میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟'' شہزاد نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

''میں اس کے پورے خاندان سے انتقام لوں گا۔ میں انھیں چن چن کر ختم کردوں گی، خواہ وہ زمین کے ساتویں طبق میں بھی جا کر چھپیں۔'' اس پراسرار روح کا جواب ملا۔اور اس کے ساتھ ہی ایک خوف ناک سا کھنکتا قہقہہ۔

شہزاد نے گھبرا کر ریسیور ہاتھ سے پھینک دیا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کمرے سے باہر بھاگا۔

''کیا ہوا، حضور؟'' مانی اک دم سامنے آگیا۔

''کچھ نہیں... کچھ نہیں۔'' شہزاد پھولی ہوئی سانس کے ساتھ بولا۔ ''و... وہی آواز۔''

''تعجب ہے۔'' مانی نے اپنے دونوں کندھے جھٹکے۔ ''اب وہ ٹیلی فون پر بھی بولنے لگی۔''

شہزاد نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ سیدھا اسی کمرے میں چلا آیا جہاں پیر سمرقند شاہ اور ان کا مرید آلو بخارا بیٹھے دوسروں کے سامنے ڈینگیں ہانک رہے تھے۔ شہزاد کا چہرہ زرد اور سانس پھولی دیکھ کر شہوار اور غزالہ گھبرا گئیں۔ خالہ جان بھی چونک پڑیں۔

''کیا ہوا، بھائی جان؟'' غزالہ نے تشویش زدہ لہجے میں پوچھا۔

''ہوا کیا، پھر ڈر گئے۔'' پیر و مرشد اپنی داڑھی پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

''ابھی ابھی ہمارے موکل نے ہمارے کان میں خبر دی تھی کہ اس آواز نے انھیں پھر ڈرایا ہے۔'' پیر سمرقند شاہ نے یہ جملہ کچھ اس قدر زعم و اعتماد سے کہا کہ شہزاد بھی سوچ میں پڑ گیا۔

''ضرور یہی بات ہوگی۔'' خالہ جان پیر و مرشد کی تائید میں بول پڑیں۔

''لاحول ولاقوۃ۔ تو کیا پیر و مرشد جھوٹ بولیں گے۔ لعنت ہے اس پر جو ان پر شک کرے۔ حضور پورے روشن ضمیر، آئی ایم سارہ، روشن ضمیر ہیں۔'' آلو بخارا ان پر ہی بگڑ گیا۔

''نہیں نہیں، میرا مطلب یہ نہیں تھا، حضور۔'' خالہ جان نے ڈر ڈر کر کہا۔

''جی ہاں، یہی بات تھی۔'' شہزاد بھی ان کی پیری پر ایمان لاتے ہوئے بولا۔

''آئیڈیا، سارجنٹ، آئیڈیا۔'' پیر و مرشد نے آہستہ سے اپنے شاگرد کے کان میں کہا۔

''ارے بہت دیکھے۔'' شاگرد نے عجیب سی صورت بنائی۔ مگر پھر دوسروں کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''آپ لوگ بالکل نہ گھبرائیں، پیر و مرشد سب سمجھ لیں گے۔''

''لیکن؟''شہزادے نے کہنا چاہا۔

''کیوں ڈرتے ہو، برخوردار۔ اللہ پر بھروسہ رکھا۔ کوئی بھوت ووت تمہارا کیا بگاڑے گا۔ہم اپنے موکلوں سے اس کی ایسی جوتے کاری کروائیں گے کہ اسے اپنی سات پیڑھی یاد آجائے گی۔''پیر صاحب نے اطمینان دلایا۔خالہ جان بھی اسے سمجھانے لگیں۔

پیر صاحب کی روشن ضمیری کی کچھ ایسی دھاک بیٹھی کہ وہ سب تقریباً مطمئن ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

چوہا بن گیا

رات کے کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد ڈرائنگ روم میں ہی جب سب پھر جمع ہو گئے۔ اس وقت پیر و مرشد ایک علیحدہ کمرے میں مصروفِ عبادت تھے۔

''عمل پڑھ رہے ہوں گے۔'' آلو بخارا نے انکشاف کیا۔ اس کا ٹرخانی اس کی گود میں بیٹھا اس کی داڑھی کے ساڑھے چار بالوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ انھیں گھاس سمجھ کر نوچنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ ان سب کے دِل ڈرے ہوئے تھے، لیکن پیر صاحب کے بھروسے وہ دارالاکبر میں رک گئے تھے، ورنہ آج ہی کم از کم سراکبر کا خاندان تو اکبر پور یا شہر چلا گیا ہوگا۔ اس وقت شہوارا وور شہزاد آپس میں کچھ گفتگو کرتے ہوئے کھڑکی میں جا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ غزالہ اور خالہ جان آلو بخارا کے پاس ہی بیٹھی تھیں۔ پیر صاحب کے ساتھ ساتھ ان کے اس شاگرد سے بھی مرعوب تھیں۔ وہ چور نظروں سے غزالہ کو بار بار دیکھتا جاتا، اور جب وہ اس کی طرف دیکھتی تو جلدی سے اپنے ٹرخانی سے باتیں کرنے لگتا۔ ایک بار اس نے لمبی سی سرد سانس کھینچی اور ٹرخانی کو چمکارتے ہوئے بولا۔ ''تم کیوں اداس ہو، ٹرخانی۔ کیا وہ لڑکی یاد آ رہی ہے؟''

جواب میں بندر نے پہلے تو اثبات میں گردن ہلائی اور پھر اچک کر خالہ جان کے پاس جا بیٹھا۔ وہ مروتاً اسے چمکارنے لگی۔ لیکن ٹرخانی کو اس پیار پر غصہ آ گیا۔ اس نے گول گول آنکھوں سے پہلے تو انھیں دھمکی آمیز انداز میں دیکھا پھر ایک دھتکار سنا کر غزالہ کے پاس چلا گیا۔ وہ بھی اسے چمکارنے لگی اور ٹرخانی اس کی گود میں چڑھ کر بیٹھ گیا۔

''اتر آؤ، بیٹا۔ ورنہ پیر و مرشد اب کی بار مرغا بنا دیں گے۔'' آلو بخارا نے اسے چمکار کر اپنے پاس بلایا۔ مگر ٹرخانی نے انکار میں گردن ہلا دی اور غزالہ ہنس پڑی۔ خالہ جان کو

Akram Allahabadi

شاید کوئی کام یاد آ گیا۔ وہ، ''ابھی آئی''، کہہ کر چل دیں اور اب وہ دونوں ہی اس جگہ رہ گئے۔

''ہائے، تم بھی مجھ بد نصیب سے آنکھیں چرا رہے ہو؟'' آلو بخارا نے بڑے دردناک لہجے میں بندر کو مخاطب کیا۔

''آپ بہت دکھی معلوم ہوتے ہیں؟'' غزالہ نے اس سے اظہارِ ہمدردی کیا۔

''دکھی...! ارے صاحب، دکھی پریم نگری کہیے۔ اپنی تقدیر میں ہی پتھر لکھے ہیں۔'' اس نے تقریباً رو پڑنے والے انداز میں کہا۔

''ایسی کی بات ہے؟''

''ہائے، کچھ نہ پوچھیے۔ آپ کو چچا غالبؔ کا وہ شعر یاد ہے۔ وہ،

اے میرے دل کہیں اور چل۔''

''یہ تو داغ کا گانا ہے۔'' غزالہ ہنس پڑی۔

''اِک دم غلط۔ داغ صاحب صرف شاعری کرتے تھے۔ گانوں کا تو اس زمانے میں رواج بھی نہیں تھا۔''

جواب میں غزالہ کی ہنسی چند سیکنڈ تک مسلسل چلتی رہی اس کے بعد وہ ہچکی لے کر بولی۔ ''میں فلم کا کہہ رہی ہوں۔''

''تو کیا فلم میں بھی کوئی داغؔ صاحب ہیں؟'' وہ اور بھولا بن گیا۔

''اوہو، مگر آپ سمجھیں گے بھی کیسے۔ اللہ والے لوگ فلم کی بات کیا جانیں۔''

''میں ماڈرن قسم کا خدا رسیدہ ہوں، آپ مجھے اک دم مولوی نہ سمجھیے۔''

''معلوم تو ایسے ہی ہوتے ہیں آپ۔'' غزالہ اپنی عادت کے مطابق اس سے کھل کر گفتگو کرنے لگی۔

''یہ میری دوسری بدقسمتی ہے کہ آپ مجھے کارٹون سمجھ رہی ہیں۔'' آلو بخارا منہ بنا لیا۔

Akram Allahabadi

''میں نے ایسا کب کہا۔'' وہ مسکرادی۔

''آپ ہی کیا، تقریباً تمام لڑکیاں ہی مجھے ایسا سمجھتی ہیں۔ میں تو اب پیرومرشد کی مریدی سے استعفیٰ دینے والا ہوں۔'' وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''واہ، یہ کیسی پیری مریدی ہوئی؟''

''دراصل ہمارے پیر صاحب میں ایک بری عادت ہے۔ انھیں داڑھی منڈوں سے سخت نفرت ہے اور مجھے داڑھی والوں سے۔''

''داڑھی والوں سے، تو یعنی کہ آپ کے پیر صاحب۔''

''ان کو چھوڑ کے۔ کیوں کہ یہ ان کی پیدائش کا قصور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے ہی داڑھی لے کر پیدا ہوئے تھے۔ صرف مونچھیں موسمی پیداوار ہیں۔''

''بڑے دلچسپ آدمی ہیں آپ بھی۔''

لیکن جواب دینے کی بجائے وہ غور سے اس کے ایک ہاتھ کی ہتھیلی کو گھورنے لگا۔

''کیوں، کیا بات ہے؟'' غزالہ نے چونک کر پوچھا۔

''بالکل عجیب، بالکل غریب۔'' وہ اور غور سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''مگر کیا؟''

''آپ کا ہاتھ۔'' یہ کہہ کر بالے نے اس کا ہاتھ ہی تھام لیا اور اس کی ہتھیلی کو آنکھوں کے پاس لاکر اور غور سے دیکھنے لگا۔

''کیا آپ نجومی بھی ہیں؟

''الحمدللہ۔'' یہ کہہ کر وہ وہ باقاعدہ اس کے ہاتھ کی لکیریں ٹٹولنے لگا۔

''اس میں لکھا ہے...'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔

''کیا لکھا ہے؟''

''بالکل عجیب۔ اس میں لکھا ہے کہ آپ گرفتار ہو جائیں گی۔''

''مم...میں...گرفتار...؟''

''ایک پولیس سارجنٹ کی محبت میں۔''

''ناممکن۔مجھے پولیس والوں سے سخت نفرت ہے۔''

''آپ نہیں جانتیں، وہ سارجنٹ بندۂ نیک لاکھوں میں ایک ہوگا۔ بہت خوب صورت، بڑا بہادر۔اگر وہ پولیس سارجنٹ نہ ہوتا تو کسی ملک کا شہزادہ ہوتا۔''

''کیا نام ہے اس کا؟'' وہ خواہ مخواہ اس کی باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے بولی۔

''اس کا نام...اس کا نام...'' وہ سوچنے لگا۔پھر انگلیوں پر گنتے ہوئے بولا۔''جوزہ، عقرب، سرطان، اقلیدس، ہوریشس، سقراط، بقراط۔ہاں جناب، اس کا نام ''ب'' سے شروع ہوتا ہے۔''

''اور کیا لکھا ہے؟''

''اور لکھا ہے کہ...کہ...کہ وہ آپ سے اتنی محبت کرے گا، اتنی محبت کرے گا کہ...''

''زہر کھا کے مرجائے گا۔'' غزالہ نے ہنستے ہوئے باقی جملہ مکمل کر دیا۔

''نہیں تو...یہ کہاں لکھا ہے؟''

''تو پھر بڑا بے غیرت ہوگا وہ۔''

''آپ اس کے ستاروں کو گالیاں دے رہی ہیں، حالاں کہ اس کے تمام ستارے عروج پر ہیں۔''

مگر بات آگے بڑھ ہی نہ پائی کیوں کہ پیر صاحب کے حجرے سے کچھ عجیب سے شور کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔اٹھا پٹک کی آوازیں۔دھینگا مُشتی کی آوازیں۔

''آ گیا...وہ آ گیا۔'' آلو بخارا اچھل کر چیخا۔

''کون؟'' شہزادے نے چونک کر وہیں سے پوچھا۔

''ہائے اللہ...یہ کیسا شور ہے؟'' خالہ جان بھی گھبراتی ہوئی آ پہنچی۔

Akram Allahabadi

''شاید وہ آسیب آ گیا ہے اور پیر و مرشد سے اس کی کشتی ہو رہی ہے۔'' آلو بخارا نے بتایا۔ اس انکشاف پر وہ سب دوڑ کر حجرے کے بند دروازے کے نزدیک پہنچ گئے اور انھوں نے دروازے سے کان لگا دیے۔ اندر سے عجیب سی آوازیں آ رہی تھیں۔

''مردود، لعین، آسیب کے بچے، بدروح کی اولاد، میں تیرا ناس کر کے رہوں گا۔'' یہ گرجتی آواز پیر صاحب کی تھی۔

''تو م، میرا غ، بوال بھی بیعکا نہیں ایں کر سکتے اے۔''

یہ دوسری موٹی بھدّی اور بھاری آواز شاید اس آسیب کی تھی۔

''تو نے....'' اور اس آواز کے ساتھ ایسا معلوم ہوا جیسے پیر و مرشد نے کسی شے کو اٹھا کر زور سے زمین پر دے مارا۔ ساتھ ہی انھیں ایک بھاری قہقہہ سنائی دیا۔

''تو م کیا مرو گے اے مجھے اے..'' شاید وہ آسیب بولا۔

''ابے، میں تیرے سارے خدنان کو مار ڈالوں گا۔ بے چارے معصوم بچوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ میں تجھے بھگائے بغیر چین نہ لوں گا۔ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔'' پیر صاحب کی آواز سنائی دی۔

''فیر صاغب۔ میں تو ماری حجامت کارنے فر آؤں غا۔''

''اب جاتا ہے کہ نہیں، مردود۔''

یہ کہہ کر پیر مرشد نے پھر اٹھا پٹک شروع کر دی۔

باہر سب لوگ حیران حیران کھڑے تھے۔ کچھ دیر بعد انھیں پیر صاحب کی فاتحانہ آواز سنائی دی۔

''بھاگ گیا۔ ہت تری کی۔ اُلو کی دُم فاختہ کہیں کا۔''

ایک منٹ بعد ہی پیر صاحب کے حجرے کا دروازہ کھلا اور وہ جو باہر نکلے تو عجیب حلیہ تھا۔ بال بکھرے ہوئے، آنکھیں سرخ، گریبان پھٹا ہوا اور آستینیں چڑھی ہوئیں۔

Akram Allahabadi

''میں نے مار مار کے اس کی چٹنی بنا دی۔'' پیر صاحب نے اپنے شاگرد رشید سے مخاطب ہو کر کہا۔

''سبحان اللہ، سبحان اللہ۔ آپ کا مقابلہ تو جنات بھی نہیں کر سکتے، وہ تو بدروح ٹھہری۔''

''بدرو نہیں بدروح، برخوردار۔''

''میں نے بھی یہی عرض کیا تھا۔'' وہ پھر پیر صاحب کے ساتھ حجرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ دوسرے لوگ بھی پیر صاحب کے حجرے میں گھس گئے۔

''وہ رہا۔'' پیرو مرشد نے اشارہ کیا۔ سب نے چونک کر دیکھا، سامنے ایک چوہا مرا ہوا پڑا تھا۔

''چوہا؟'' شہزاد کے منہ سے نکلا۔

''کم بخت گھبرا کر چوہا بن کر بِل میں گھسا جا رہا تھا کہ میں نے دم پکڑ کر گھسیٹ لیا اور اسے مارا۔'' پیر صاحب نے بتایا۔

''کیا کہنے ہیں حضور کے۔'' آلو بخارا نے تعریف کی۔

''تو کیا یہ لوگ چوہے بھی بن جاتے ہیں؟''

''یہ لوگ چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک سب کچھ بن جاتے ہیں۔ منشی حسین خاں کے تالاب پر ایک سر کٹا بھوت بکری کا بچہ بنا پھرتا تھا۔'' آلو بخارا نے تصدیق کی۔

''کون سا تالاب؟'' غزالہ نے پوچھا۔

''بھوپال میں واقع ہے، بہت مشہور جگہ ہے۔'' آلو بخارا نے بتایا۔ اور وہ پیرو مرشد کی مرشدی پر عش عش کرنے لگے۔ لیکن دروازے کے پاس سب سے پیچھے مانی کھڑا انھیں ایسی نظروں سے گھور رہا تھا جیسے وہ انھیں چھٹے ہوئے چار سو بیس سمجھ رہا ہو۔

''حضور، اب تو نہ آئے گا وہ؟'' خالہ جان نے پوچھا۔

''اب اس کے فرشتوں کی بھی مجال نہ ہوگی۔'' پیر صاحب بولے۔

Akram Allahabadi

''حضور، بدروح کے فرشتے؟'' آلو بخارا نے ٹوکا۔

''زبان پکڑ لیتے ہو، بے وقوف۔ ہم نے ضرب المثل بیان کی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

مجسمے حرکت کرنے لگے

خدا خدا کر کے وہ سب آج اس خیال سے اطمینان کی نیند سو گئے کہ پیر و مرشد نے اس آسیب کی مرمت کر کے اسے بھگا چکے تھے، پھر بھی احتیاط برتی گئی تھی کہ غزالہ، شہوار اور خالہ جان ایک کمرے میں سوئی تھیں۔ شہزاد اپنے کمرے میں دو نوکروں کو لے کر سویا تھا اور بندوق سرہانے رکھی تھی۔ اور پیر و صاحب اور ان کا شاگرد رشید آلو بخارا ڈرائنگ روم میں ہی صوفوں پر محوِ خواب تھے۔ انھوں نے خود ہی اس طرح آرام فرمانے کی ضد کی تھی۔ اور ان کی مرضی میں دخل دینے کی کسی نے جرأت نہ کی۔ مانی باہر اپنے روم میں جا چکا تھا اور دوسرے نوکر غلام گردش میں۔

آج کی رات اندھیری ضرور تھی، لیکن طوفانی نہ تھی۔ بادل چھٹے ہوئے تھے اور تارے نظر آ رہے تھے۔ ہوا سرد ضرور تھی لیکن ہلکی چل رہی تھی۔ اس لیے اکبر پور کے گرد پھیلے ہوئے جنگلوں سے درندوں کی آوازیں بھی سنائی دے جاتیں۔

اچانک پیر و مرشد بوکھلا کر اٹھ بیٹھے۔ کمرے میں اس وقت اتنی تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دے۔ حالاں کہ جب وہ سوئے تھے تو کمرے میں لائٹس آن تھی۔ پیر صاحب کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی کھلی گاڑی پر پڑے ہوں اور گاڑی تیزی سے بھاگ رہی ہو۔ مگر جب انھوں نے دماغ پر زیادہ زور دیا تو انھیں معلوم ہو گیا کہ ان کا صوفہ اسی روم میں اِدھر سے اُدھر دوڑتا پھر رہا ہے۔ وہ گلا پھاڑ کر۔ ''آلو بخارا... آلو بخارا۔'' چلانے لگا۔

جواب میں انھیں کمرے کے ایک گوشے میں آلو بخارا کی آواز سنائی دی۔ ''میں یہاں ہوں، یا حضرت۔''

پیر صاحب کے منہ سے آئتیں اور کلمات نکلنے لگے۔ اور آلو بخارا کی اونچی آواز سنائی

دی۔

''جل تو جلال تو اس آسیب کو ٹال تو۔'' وغیرہ وغیرہ۔ اچانک ایک بھاری قہقہہ کمرے میں گونجا اور برقی قمقمے روشن ہو گئے۔ پیر صاحب نے دیکھا کہ وہ صوفے سمیت کمرے کے ایک کونے میں پڑے ہیں اور ان کا شاگرد آلو بخارا زمین پر اوندھا پڑا ہے۔

''ابے ہٹ بے، میرا دم نکل جائے گا۔ اتر میری پیٹھ سے۔ ہائے دہائی ہے پیر صاحب کی...'' آلو بخارا زور زور سے کسی کو ڈانٹ رہا تھا۔ حالاں کہ اس کی پیٹھ پر کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر وہ خود ہی سیدھا ہو گیا۔

''ارے، چلا گیا۔'' وہ ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔ ''ہائے، کمر توڑ دی کم بخت نے۔''

''آلو بخارا۔'' پیر صاحب بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ ''یہ تو سچ مچ کا آسیب معلوم ہوتا ہے۔''

''خیال اپنا بھی یہی ہے، یا حضت۔ اب کی بار واقعی کسی آسیب سے پالا پڑ گیا ہے۔'' آلو بخارا نے فکر مند لہجے میں کہا۔ مگر دوسرے لمحے کمرے میں سرا کبر کے ہیٹ کو فرش پر آپ سے آپ دوڑتا دیکھ کر وہ حیرت سے اچھل پڑے۔

''آپ دیکھ رہے ہیں، حضت۔'' آلو بخارا نے پیر صاحب کا ہاتھ دبایا۔

''جل تو جلال تو...''

یہ ہیٹ دروازے کی طرف سے آیا تھا۔ اور انھوں نے پلٹ کر دیکھا دروازے کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔ بیٹھے بیٹھے آلو بخارا اٹھا اور اس نے دوڑ کر اس ہیٹ پر پیر رکھ دیا۔ ہیٹ چرچرا کر بیٹھ گیا۔ مگر اس کے نیچے سے ایک باریک سی، چیں چیں، کی آواز نے ان کے کان کھڑے کر دیے۔ اسے جب اٹھا کر دیکھا گیا تو اندر ایک ایسا چوہا بند تھا جس کے منہ پر ایک چھوٹا سا ٹین کا خول چڑھا تھا جس کی وجہ سے نہ وہ منہ کھول کر اس ہیٹ کو کاٹ سکتا تھا نہ اس کی آواز زور سے نکل سکتی تھی۔ چوہے کے گلے میں ایک ڈوری بندھی تھی جس میں ایک کاغذ کا

پرزہ لٹک رہا تھا اور اس پر لکھا تھا،

''ہماری سواری۔''

''ارے واہ ری آپ کی سواری۔ یہی ہاتھی ملا تھا آسیب صاحب کو بھی۔'' آلو بخارا بڑبڑایا۔

''ارے پھینکو، ایسی چیز کو ہاتھ نہ لگا۔'' یہ کہہ کر پیر مرشد نے آلو بخارا کے ہاتھ سے وہ کاغذ کا پرزہ نوچ لیا اور اسے توڑ مروڑ کر اس طریقے سے ایک طرف پھینکا کہ پرزہ ان کی جیب میں چلا گیا اور معلوم ایسا ہوا جیسے وہ کمرے کے اندھیرے میں جا گرا ہو۔

سر اکبر سجاوٹ کے بڑے شوقین رہے تھے۔ ان کے ڈرائنگ روم کے چاروں کونوں میں چار قدِ آدم پتلے بھی کھڑے تھے، جو وہ فنِ مجسمہ سازی کی نمائش سے دس ہزار میں خرید کر لائے تھے۔ ان میں سے دو تو زرہ پوش یونانی سپاہیوں کے تھے اور دو میں ایک لندن میں کانے کا بنایا گیا ایک نیگرو کا مجسمہ تھا جس کے نیچے مجسمہ سازی سفید فام ذہنیت نے ''شیطان کی ممکنہ شبیہ'' لکھ کر اپنی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا تھا۔ دوسرا رابن ہڈ کا مجسمہ، جس کے ہاتھ میں کمان تھی اور وہ اس پر تیر چڑھائے ہوئے تھا۔ وہ دن میں بھی ان بے جان مجسموں کو دیکھ چکے تھے، لیکن انھیں ایسی چیزوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ البتہ رات کے اس دہشتناک سناٹے میں ان بے جان مجسموں کی خاموشی بھی کافی خوف ناک معلوم ہوتی تھی۔

''یا حضت، مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ آسیب ابھی کمرے میں موجود ہے۔'' آلو بخارا نے کہا۔

''تو پھر ہوا میں ٹٹول ٹٹول کر چلو، ہاتھ آجائے تو نپٹ لیں گے۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے۔''

چنانچہ وہ بے وقوفوں کی طرح کمرے میں ادھر ادھر گھوم پھر کر ہوا کو ٹٹولنے لگے۔ پیر و مرشد اس وقت کمرے کے ایک کونے سے گزر رہے تھے کہ یکا یک اچھل کر زور سے

گر پڑے۔

"اے حضت۔" آلو بخارا انھیں گرتے دیکھ کر آواز دیتا ہوا دوڑا۔ اس نے جھک کر دیکھا حضرت بے ہوش ہو چکے تھے۔ وہ حیرت زدہ انداز میں سیدھا کھڑا ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ٹھیک اسی وقت یونانی زرہ پوش مجسمے کا وہ ہاتھ جس میں بغیر دھار والا وزنی آہنی کھانڈ لگا ہوا تھا اپنی جگہ سے نیچے کی طرف لٹکا اور اس کے کھانڈے کی ضرب اس زور سے آلو بخارا کے سر پر پڑی کہ وہ بھی وہیں لڑکھڑا کر گر پڑا۔

دونوں کے بے ہوش ہوتے ہی زرہ پوش مجسمہ اپنی جگہ سے ہلا اور جھک کر انھیں ٹٹولنے لگا، پھر اس کے اشارہ کرتے ہی وہ سیاہ مجسمہ جس کے نیچے 'شیطان کی ممکنہ شبیہ' کے الفاظ کندہ تھے اپنی جگہ حرکت میں آ گیا۔ وہ چاروں طرف دیکھتا چلتا اس مجسمے کے قریب آ گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے سے گفتگو کیے بغیر ان دونوں بے ہوش پیر و مرشد کو اپنے اپنے کندھوں پر اٹھا لیا اور آہستہ قدم رکھتے ہوئے دروازے سے باہر نکل گئے۔ آلو بخارا کا بندر نہ جانے کہاں جا گھسا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

سویرے جب شہزادا اپنے کمرے میں مسہری کی بجائے فرش پر بے ہوش پڑا پایا گیا، وہاں پیر و مرشد سمرقند اور شاگرد رشید آلو بخارا، دارالاکبر کی عمارت کے احاطے میں پیچھے کی طرف ایک جھاڑی کے نزدیک اوندے پڑے پائے گئے۔

شہزادہ صرف اتنا بتا سکا کہ رات اسے پھر وہی خوف ناک آواز سنائی دی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی 'تم مر جاؤ گے'۔ لیکن جب وہ خوف زدہ ہو کر اپنے سوئے نوکروں کو جگانے کے لیے اٹھا تو کمرے میں اندھیرا اور ایک عجیب سی بو اس کی ناک میں گھسنے لگی، جس کے ساتھ ہی وہ لڑکھڑا گیا، پھر اسے معلوم نہیں کیا ہوا۔ سمرقند شاہ بابا نے تو اکدم چپ سادھ لی تھی۔ لیکن آلو بخارا کہہ

رہ اتھا کہ رات اچانک وہ آسیب پھر لوٹ آیا۔اس نے پیر صاحب کو دھوکا دے کر شب خوں مارا، ورنہ اس کی کیا مجال تھی کہ جاگتے میں مقابلہ کرتا۔اور خالہ جان اس بیان پر بھی پوری طرح قائل اور معتقد تھیں، البتہ غزالہ اور شہزاد کا بھروسہ اٹھ گیا۔شہوار کچھ ماں کی عقیدت اور کچھ شہزاد کے خیالات کے درمیان ڈانوا ڈول تھی۔بہر حال غزالہ کے خیال سے شہزاد اس پر آمادہ ہو گیا کہ سردست دارالاکبر کی رہائش ترک کر دی جائے۔

''دیکھ لیا آپ کے پیر صاحب کا اجلال اور آپ کی ڈینگیں۔''غزالہ آخر آلو بخارا کو طعنہ دے ہی بیٹھی۔

''مس اکبر، آپ نہیں سمجھ سکتیں۔یہ آسیبوں سے مقابلہ کچھ فری اسٹائل کی طرح ہوتا ہے۔اس کے کئی راؤنڈ ہوتے ہیں۔کبھی ہم نے پچھاڑا کبھی اس نے اور آخری راؤنڈ جس کا ہو جائے۔''

''تو آپ کے پیر صاحب فری اسٹال پہلوان ہیں؟''اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''میں تو مثال دے رہا تھا۔''

''خیر اب آپ لوگ آسیب بھگاتے رہیے، ہم تو چلے۔''وہ بولی۔

''ہائیایسا نہ کیجیے، پھر یہاں رہ ہی کیا جائے گا''آلو بخارا نے حسرت ناک لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب؟''

''جس چمن میں بلبلیں چہکتی رہتی ہیں وہاں علم بہار رہتا ہے۔''

''آپ شاعری فرما رہے ہیں۔''

''آپ برا مانتی ہیں، میں تو مثال دے رہا تھا۔''

''کہیں مثالیں دیتے ہوئے آپ خود نہ ضرب المثل بن جایئے گا۔''

''ایسی تقدیر کہاں اپنی، لیکن آپ لوگ جس چیز سے ڈر کر یہاں سے بھاگ رہے ہیں وہ تو ہر جگہ آپ کا پیچھا کر سکتی ہے۔''

''ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں خدانخواستہ بھائی جان کو کچھ...'' وہ تشویش زدہ انداز میں بولی۔

''نہیں، صاحب۔ ہمارے ہوتے ہوئے ان کو کچھ ہو جانا ناممکن ہے۔''

''پچھلی رات ہی کیا کر لیا آپ نے؟ جو نامعلوم طاقت انھیں دو نوکروں کے بیچ میں اس طرح بے ہوش کر سکتی تھی وہ کیا ان کی جان نہیں لے سکتی تھی۔''

''بے شک لے سکتی اگر ہم لوگ نہ ہوتے۔ وہ طاقت جانتی ہے کہ اگر ایسا ہوا تو ہم اس کی اگلی پچھلی سات سات پشتوں کا صفایا کر دیں گے۔''

''وہ تو ظاہر ہی ہے، تبھی کوٹھی کے پیچھے آرام فرما رہے تھے آپ لوگ؟''

''جی، وہ تو دھوکے کا وار تھا، اب تو دیکھیں جو کوئی ہمت کرے۔''

''کیا سامان تیار ہو گیا، غزالی؟'' اچانک شہزاد کی آواز دخل دیتی سنائی دی۔ وہ ابھی ابھی اندر آیا تھا۔

''مانی صاحب تیاری کر رہے ہیں۔'' غزالہ نے بتایا اور شہزاد باہر چلا گیا، شاید شہوار وہیں تھی۔

''تو آپ واقعی جا رہی ہیں؟'' آلو بخارا نے حسرت ناک لہجے میں پوچھا۔

''جی ہاں۔''

''میرا جی چاہتا ہے کہ میں خودکشی کر لوں۔''

''کیوں؟'' غزالہ نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

''یہ تو میں بھی نہیں جانتا، بس جی چاہتا ہے۔''

''تو بسم اللہ۔'' غزالہ کے اس جواب نے اس کے تمام تر جذبات کی مٹی پلید کر دی۔

Akram Allahabadi

''وہ تو کر ہی لوں گا، لیکن کیا آپ لوگ رک نہیں سکتے؟''

''مجھے اپنی پرواہ نہیں، لیکن بھائی جان کو خطرہ ہے۔''

''آج رات ان کی جگہ میں سوؤں گا۔ میں اس آسیب سے براہِ راست ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔''

''آپ...؟'' وہ اچنبھے میں پڑ گئی۔ ''اور جو کچھ ہو گیا تو....؟''

''تو کیا ہوا، آپ کے بھائی جان تو بچ جائیں گے۔ اور اس سے آپ کو جو خوشی ہو گی اس سے میری روح تک خوش ہو جائے گی۔''

''آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔'' وہ اسے میٹھی ٹھنڈی نظروں سے دیکھنے لگی۔

''آپ جو کچھ سمجھ لیں۔'' آلو بخارا نے مسکین صورت بنالی۔

''اچھا میں سمجھ لوں گی۔'' وہ یہ کہہ کر مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

''کاش آپ سمجھ ہی لیں۔'' آلو بخارا نے ٹھنڈی سانس کھینچی اور اپنے پیر و مرشد کے حجرے کی طرف چل دیا۔

ٹھیک اس وقت جب ان کا سامان بندھ کر تیار ہو چکا تھا، شہزادہ کا فون آ پہنچا۔ ''کون بول رہا ہے؟'' اس نے کل کے ٹیلی فون کے واقعے کو یاد کر کے نوکر سے پوچھا۔

''صاحب، معلوم نہیں۔''

''ٹھہریے، میں دیکھتا ہوں۔'' آلو بخارا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس وقت اس کا ٹرخانی اس کے کندھے پر تھا۔ وہ صبح ڈرائنگ روم میں ہی آتش دان کے پاس کرسی کے نیچے سوتا ہوا ملا تھا۔ آلو بخارا نے ٹیلی فون والے روم میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

''ہلو۔'' وہ رسیور اٹھا کر بولا۔

''کون بول رہا ہے؟'' دوسری طرف سے سپرنٹنڈنٹ خان کی آواز سنائی دی۔

''ایک آدمی بول رہا ہے۔'' آلو بخارا نے آواز بنا کر جواب دیا۔''

''کون ہو تم ؟''خان نے پوچھا۔

''قبلہ مرشد پیر سمرقند شاہ بابائے حرام مونچھ کا سجادہ نشین آلو بخارا، صاحب۔''

''اوہ تو تم ہو، سؤر۔''

''ہائیں ...آپ ایک خدا رسیدہ بزرگ کی شان میں ایسے الفاظ استعمال کر رہے ہیں۔''

''وہ تو معلوم ہے تم کیا رسیدہ ہو، مگر خیر کیا حال ہے، ابھی تک رپورٹ کیوں نہیں دی۔''

''اول تو موقع نہیں ملا تھا، دوسرے ہم لوگ اس آسیب پر ریسرچ کر رہے تھے۔'' آلو بخارا نے جواب دیا۔

''کیا نتیجہ نکلا؟''

''کوئی کافی چالاک وجود ہے وہ، بہت محتاط۔ کچھ شعبدے اس نے کل ہمارے ساتھ بھی کیے، لیکن جب ہمیں اٹھا کر کوٹھی کی پشت پر لے جایا گیا، اس وقت دو ہستیاں تھیں۔'' یہ کہہ کر اس نے تمام قصہ مختصراً سنا ڈالا۔

''تعداد کا کیا سوال، ہو سکتا ہے دو سے زیادہ بھی ہوں؟''

''جی نہیں، زیادہ نہیں معلوم ہوتیں، کیوں کہ اس کا طریق کار محدود نظر آ رہا ہے۔''

''پھر کیا ہوا؟''

''پھر میں نے پیر و مرشد کو وہیں پڑا چھوڑ کر چپکے سے اٹھ کر ان سایوں کا پیچھا کیا۔''

''تم نے انھیں پکڑ کیوں نہیں لیا، الو۔''

''رنگے ہوا تھا پکڑنا چاہتا تھا، لیکن غلطی ہو گئی۔ وہ غلام گردش میں پہنچ کر نظر سے غائب ہو گئے اور جب میں ڈرائنگ روم واپس پہنچا تو وہ دونوں مجسمے وہاں موجود تھے۔ شہزاد کے کمرے میں بھی کچھ شور سن کر جب میں دوڑا تو مجھے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کوئی کھڑکی

Akram Allahabadi

سے نکل کر بھاگا ہے، لیکن جب میں بھی پشت پر پہنچا تو وہاں کوئی نہیں ملا۔"

"اور اگر وہ آگاہ ہو گئے ہوں تم لوگوں سے تو؟"

"جی نہیں، ہماری اب تک کی اداکاری کامیاب ہے۔"

"خیر شنکر گڑھ کی رپورٹ آ گئی۔ اس سے معلوم ہوا ہے کہ وہاں کے اس بوڑھے پٹیل کی موت واقع ہوئے چار سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اور اسرا اکبر نے فرضی نام سے جس عورت سے وہاں شادی کی تھی، وہ اور اس کے لڑکے کا تو آٹھ دس سال سے کوئی پتا نہیں۔ وہ لوگ مصیبتوں سے تنگ آ کر شنکر گڑھ چھوڑ کر کہیں چلے گئے تھے۔"

"بے چارے۔" آلو بخارا نے اظہارِ افسوس کیا۔

"لیکن پٹیل کی موت میں بھی شبہ پایا جاتا ہے۔"

"یہ لیجیے نیا معاملہ۔ خدا آپ کا ہاتھ کسی کیس میں نہ ڈالے۔ بال کی کھال ادھیڑ ڈالتے ہیں۔"

"اور اب تمہاری کھال ادھیڑنی باقی ہے، کام چور۔"

"ایک پولیس سارجنٹ چور ہو ہی نہیں سکتا۔"

"ہاں تو... جس رات پٹیل کی موت واقع ہوئی تھی اس رات اس کی تجوری ٹوٹی پائی گئی تھی اور اس میں سے کچھ چیزیں غائب تھیں۔"

"چیزیں؟"

"ہاں، سب کچھ موجود تھا سوائے ایک پلندے کے، جو پٹیل کی بیوہ کے بیان کے مطابق اس کی تجوری میں ہی رہتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ ان کاغذوں میں ایک قیمتی راز ہے۔"

"سرا اکبر کی وہ نامعلوم اولاد کتنی بڑی رہی ہوگی؟" آلو بخارا نے پوچھا۔

"ٹھیک پہنچ رہے ہو، اس حساب سے اس کی عمر اس وقت ۲۳۔۲۴ کے درمیان یا اس سے چند ماہ زیادہ ہونی چاہیے۔" ادھر سے جواب ملا۔

Akram Allahabadi

''او آسیب کے بچے، میں تمہارا قیمہ بنا کر نور محمد قصائی کی دکان پر بھیجوں گا، سمجھے۔''

اچانک آلو بخارا کا انداز کلام بدل گیا۔

''یہ کیا حماقت ہے، اکو۔'' اسے خان کی ڈانٹ سنائی دی۔

''میں بھی کوئی ایسا ویسا نہیں ہمیڈ اِن بخارا ہوں، بیٹے۔ میرے ایک ہی عمل سے تم بے عمل ہو جاؤ گے۔'' آلو بخارا نے جواب دیا۔

''اب دماغ خراب ہوا ہے کہا؟''

''میں تمہارا دماغ درست کر دوں گا۔''

''شٹ اپ۔'' خان نے بگڑ کر ڈانٹا۔

''تم خود شٹ اپ۔ او، آئی ایم ساری، باس۔ یہاں کچھ کھٹکے کی آواز ہوئی تھی، میں سمجھا کوئی آتو نہیں گیا۔''

''کیوں، کیا ٹیلی فون پر بھی گڑبڑ ہوئی ہے؟''

''جی ہاں، کل اس آسیب نے شہزاد کو فون پر موت کی دھمکی دی تھی۔''

''اوہ، تم آج اس کے کمرے کے علاوہ اس چوکی کی بھی تلاشی لو، جو خاردار احاطے کے دروازے پر ہے۔ بجلی کا تار وہاں تک پہنچا ہوا ہے۔ لیکن مجھے شک ہو رہا ہے کہ وہ ڈاملی وائر تھے۔'' خان نے ہدایت کی۔

''بہتر ہے۔''

''اچھا جاؤ، شہزاد کو بھیج دو۔''

''میں اسی کے لیے تو کہنا چاہتا تھا۔ وہ یہ کوٹھی چھوڑ کر بھاگنا چاہتا ہے۔''

''ایسا مت ہونے دو، ورنہ بنا بنایا کام بگڑ جائے گا۔ اسے بھیجو میں سمجھائے دیتا ہوں۔'' خان نے کہا۔

''او کے، لیکن غزالہ کے لیے کیا حکم ہے؟''

Akram Allahabadi

''کیوں، اس کا کیا ہے؟''

''اِس غریب پر بری طرح مر رہی ہے۔''

''وہ تمہاری صورت پر تھوکنا بھی پسند نہ کرے گی۔ میں اسے دیکھ چکا ہوں، بہت خوددار لڑکی ہے۔''

''تو آپ اس کی تعریف فرما رہے ہیں، یہ معاملہ کیا ہے؟''

''شٹ اپ۔ میں اس قسم کی بدتمیزیاں پسند نہیں کرتا۔''

''میں تمیز کے ساتھ عرض کر رہا تھا۔''

''دفع ہو جاؤ۔''

''جاتا ہوں، جاتا ہوں۔ آپ ناراض کیوں ہوتے ہیں۔ لیجیے میں چلا۔'' یہ کہہ کر وہ رسیور علیحدہ رکھ کر چپکے سے باہر نکل گیا۔

دروازے سے نکلتے ہی اسے سب سے پہلے شہزاد ہی نظر پڑا۔ وہ شاید اسی طرف آ رہا تھا۔

''آپ کا فون ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''مم... مگر...''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے، آپ بے دھڑک تشریف لے جایئے۔'' آلو بخارا نے اسے دلاسا دیا۔ اور شہزاد اس کے کہنے پر کمرے میں داخل ہو کر فون پر آ گیا۔

''ہلو۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے رسیور اٹھایا۔

''میں سپرنٹنڈنٹ خان بول رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے آواز سنائی دی اور شہزاد کے چہرے سے خود و تذبذب کے آثار دور ہو گئے۔

''فرمایئے، میں شہزاد ہوں۔''

''سنا ہے آپ گھبرا کر اس عمارت کو چھوڑ رہے ہیں؟''

Akram Allahabadi

''جج ...جی ہاں، میری جاں بھی مصیبت میں پڑ گئی ہے۔ یہاں عجیب عجیب واقعات ہو رہے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں، لیکن ڈر کر بھاگنے میں آپ کے لیے اور زیادہ خطرہ ہے، آپ وہیں موجود رہیے۔''

''لیکن وہ آواز؟''

''آپ نوجوان آدمی ہیں، حوصلہ رکھیے۔ قانون کے مضبوط ہاتھ آپ کی حفاظت کر رہے ہیں۔'' خان نے اسے یقین دلایا۔

''لیکن گھر کے لوگ؟''

''انھیں بھی اپنے طور پر سمجھایے کہ اس طرح ڈر کر بھاگنے سے کوئی فائدہ نہیں، حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔''

''مقابلہ...؟ اور آسیب سے...؟''

''میں نے جو کہا ہے اس پر بھروسہ رکھیے۔ آپ لوگوں کی حفاظت کا انتظام کیا جا چکا ہے۔''

''بہتر ہے۔'' شہزاد نے مرے ہوئے لہجے میں یہ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

دوسری بھی لیجیے

بندھے ہوئے سامان کھلنے لگے۔خالہ جان کوتو خیر اب بھی پیرومرشد پر بھروسہ تھا، اس لیے انھوں نے تو روانگی یا پروگرام ملتوی ہونے کی زیادہ مخالفت نہیں کی، لیکن شہوار اور غزالہ اب بھی دارالاکبر چھوڑ دینے پر بضد تھیں۔

''آپ شاید اس آلو بخارا کی باتوں میں آ گئے ہیں؟''غزالہ نے کہا۔

''مجھے بھی وہ کوئی بھانڈ یا مسخرا معلوم ہوتا ہے۔''شہوار نے غزالہ کی تائید کی۔

''خدا آپ لوگوں کو مشعلِ ہدایت دکھائے، آپ کی عقلوں پر اولے پڑ گئے ہیں۔'' آلو بخارا اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔اس کے اس اندازِ گفتگو پر سب چونک پڑے۔مگر شہزاد اسے اس وقت متجسس نظروں سے دیکھنے لگا۔آلو بخارا ان کے قریب آ گیا۔بندر کا بچہ اس کے کندھے پر تھا اور اس وقت اس کے گلے میں زنجیر پڑی ہوئی تھی، جس کا دوسرا سرا آلو بخارا کے ہاتھ میں تھا۔کمرے میں اس وقت غزالہ، شہوار اور شہزاد کے سوا کوئی نہ تھا۔

''آپ لوگ بڑی مردہ سی زندگی جی رہے ہیں۔نہ سیر نہ تفریح نہ ہنسنا نہ بولنا۔موت سے پہلے ہی مرجانا کوئی عقل مندی ہے۔''وہ بولا۔

''لیجیے، اب یہ آپ کو عقل بھی سکھائیں گے۔''شہوار نے طنزیہ لہجے میں شہزاد سے کہا۔مگر وہ اب تک آلو بخارا کے چہرے کو گھور رہا تھا۔

''ارے، آپ کیا دیکھ رہے ہیں اس طرح؟'' آلو بخارا نے اس سے حیران ہو کر پوچھا۔

''میں دیکھ رہا ہوں کہ اگر میں آپ کی شیونگ کر ڈالوں تو باقی کیا بچے گا؟''شہزاد کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''جو دو میں سے دو گھٹانے پر بچتا ہے۔لیکن آپ باربری کے چکر میں کیوں پڑ گئے؟'' وہ بولا۔ان کی اس نئے ڈھنگ کی مبہم گفتگو نے غزالہ اور شہوار کو سوچ میں ڈال دیا۔

''آپ کا یہ ٹرخانی آج کچھ چپ چپ سا ہے۔'' شہزاد نے بندر کی طرف اشارہ کیا۔

''دراصل رات کو اس نے مثنوی زہرِ عشق پڑھی تھی، تب سے اسے دست آ رہے ہیں۔'' اس جواب پر غزالہ اور شہوار ہنسی نہ روک سکیں۔

''یہ لیجیے، آپ لوگ ہنس رہی ہیں، حالاں کہ ٹرخانی انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا سے لے کر فلسفہ ڈارون تک پڑھا لکھا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا پھر بندر کو چمکار کر پوچھنے لگا۔

''کیوں بیٹے، یاقوت جی۔''

''چی پوخ۔'' بندر نے حلق سے آواز نکالا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''پوچ۔'' شہزاد بندر کے بچے کو چمکارنے لگا اور چمکارتے چمکارتے اچانک اس کا ہاتھ آلو بخارا کی لٹکی ہوئی مونچھ تک جا پہنچا، جو ایک جھٹکے میں شہزاد کے ہاتھ میں تھی۔

''ہائے اللہ!'' شہوار اچھل پڑی۔

''یہ دوسری بھی لیجیے۔ میں اب لنڈورا ہی رہوں گا۔'' آلو بخارا نے دوسری طرف کی بھی اکھاڑ کر اس کے ہاتھ میں دے دی۔مگر شہزاد اور غزالہ کو زیادہ حیرت اس وقت ہوئی جب انھوں نے شہزاد کو چونکتے یا غصے میں آتے دیکھنے کی بجائے مسکراتے پایا۔

''آپ بڑے جلد باز ہیں۔'' آلو بخارا نے کہا۔

''میں نے پہچان لیا ہے۔ابھی ابھی مجھ سے کہا گیا تھا کہ قانون کے مضبوط ہاتھ تمہاری حفاظت کر رہے ہیں۔'' وہ آہستہ سے بولا۔

''کیا خاک پہچانیں گے آپ۔ہمیں جو پہچان لے اس کی عاقبت تک روشن ہو جاتی ہے۔'' اس کا اشارہ غزالہ وغیرہ کی طرف تھا۔

Akram Allahabadi

''نام بتادوں؟''شہزاد نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

''طاطہ ابن بطوطہ ولد..''

''اونہونہہ، بالے صاحب۔''شہزاد اس کے کان کے قریب بولا۔

لیکن ٹرخانی نے اس وقت اپنی فطری جبلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شہزاد کا ہی کان تھام لیا اور اسے جھٹکے دینے لگا۔

''اوف...ابے...ہشت...''شہزاد نے اسے ڈانٹا۔

''ٹوٹرخانی، پلیز...یہ ہمارے دوست ہیں۔''بالے نے بندر کے بچے کو جھڑکا۔

''کون ہیں یہ؟''شہوار نے قریب آکر حیرت سے پوچھا۔غزالہ اب تک اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔

''میں بدنصیب غم کا مارا ایک آوارہ مرغِ بسمل، شکستہ دل، خنجرِ قاتل وغیرہ وغیرہ ہوں۔''بالے کے اس جواب پر غزالہ بے اختیار ہنس پڑی۔

''یہ...یہ ہیں...''شہزاد نے بتانا چاہا۔

''میں ان کا پرانا دست ہوں۔انھیں مصیبت میں پاکر ان کی چٹھی ملتے ہی یہاں چلا آیا تھا۔''بالے نے جلدی سے بات بنادی۔شہزاد بھی اس کا اشارہ سمجھ گیا اور اس نے مزید غلطی نہ کی۔

''ہاں، ہاں، یہ...یہ میرے دوست...''

''مرزا پچھتر بیگ۔''

''پچھتر بیگ؟''شہوار نے حیرت سے چونکی۔

''زیادہ ہو تو آپ بہتر سمجھ لیجیے۔''بالے نے جلدی سے کہا، جس پر غزالہ کا قہقہہ نہ رک سکا اور خود شہزاد بھی بے قابو ہوگیا۔وہ کم از کم ایک منٹ تک ہنستا رہا۔شہوار کو غصہ آگیا۔وہ پیر پٹکنے لگی۔

Akram Allahabadi

''آپ لوگ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔''اس نے شہزاد کی طرف رخ کر کے کہا۔

''نہیں،شہوار۔غلط نہ سمجھو، بلکہ یہ آدمی ہی اتنے دلچسپ ہیں کسی کو خاموش بیٹھنے نہیں دیتے۔''اس نے سمجھایا۔

''تو کیا یہی ہے ان کا نام؟''

''آپ کو یقین نہ ہو تو میں اپنا پیدائش نامہ نکال کر بتا دوں۔''اور اس بار غزالہ ہنس پڑی،شہوار بھڑک گئی۔

''نان سنس۔''وہ پیر پٹکتی خالہ جان کے کمرے کی طرف چلی گئی۔

''بہت گرم مزاج ہے، میں ابھی آیا۔''شہزاد نے جلدی سے کہا اور اس ک پیچھے چل دیا۔اس وقت صرف غزالہ اور بالے کمرے میں رہ گئے۔

''آپ بھی پیر پٹکتی نظر آیے۔''بالے نے غزالہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''واقعی،جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا۔''

''کیا مطلب؟''

''آپ سارجنٹ بالے ہیں نا؟''

''ہیڑہ غرق۔''یہ کہہ کر بالے نے آنکھیں چڑھالیں اور تیورا کر وہیں گر پڑا۔

''ارے ارے،یہ کیا ہوا؟''وہ گھبرا کر اس پر جھک گئی۔

''کچھ نہیں،ذرا ان ریشمیں زلفوں کی ہوا دیجیے،ابھی ہوش آجائے گا۔''وہ خود ہی ایک آنکھ کھو کر بولا۔اور معصوم غزالہ پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''آلو بخارا۔''اچانک باہر سے پیر و مرشد کی بھاری آواز اسے پکارتی سنائی دی۔

''ہائے ٹپکا نا،کم بخت۔''بالے اٹھ کھڑا ہو گیا۔

''یہ آپ کے پیر و مرشد کون ہیں پھر؟''

''ہے ایک چار سو بیس،آئی ایم ساری۔محترمہ آپ میرے پیر و مرشد کی کرامات

سے واقف نہیں۔" اس نے پیرومرشد کو دروازے سے داخل ہوتے دیکھ کر جلدی لہجہ بدل لیا۔

"یہ آسمان میں پیوند لگاتے ہیں... کتنے ہیں پورے کتنے۔" آخری الفاظ اس نے آہستہ سے کہے، لیکن پیرومرشد کے کانوں تک بھی بھنک پہنچ گئی۔

"یہ ہماری تعریف ہو رہی ہے، شاید؟" پیرومرشد نے قریب آتے ہوئے فرمایا۔

غزالہ مسکرا رہی تھی۔

"تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا۔ ویسے حضور کی بھی کچھ نہ کچھ ہو جاتی ہے۔"

"بیٹی، تم لوگ بے خوف رہو۔ آج ہم اس آسیب کی ساری چولیں ڈھیلی کر دیں گے۔ کیوں آلو بخارا۔" پیرومرشد نے غزالہ کو مخاطب کر کے بالے سے کہا۔

"درست فرمایا، حضت۔" بالے نے کہا۔

"پڑھ لکھ کر بھی غلط الفاظ بولنے کی عادت نہیں گئی ابھی۔"

"حضور، رجھول ہو گئی ہے آج کل۔"

"ہمیں تمہاری برخورداری پر شک ہونے لگا ہے۔ اور یہ تمہاری مونچھیں؟"

"وہ آپ کی مونچھوں کے صدقے ہو گئیں۔"

غزالہ پھر ہنس پڑی، مگر بالے کو فوراً ہی کچھ خیال آ گیا۔ اس کی مونچھ تو شہزاد لیتا گیا تھا۔

"آپ کو ایک تکلیف دوں گا۔" وہ غزالہ سے بولا۔

"فرمایئے؟"

"شہزاد صاحب سے میری مونچھ چپکے سے مانگ لایئے، ورنہ سارے کیے دھرے پر پانی پھر جائے گا۔ اور ہاں ان سے کہہ دیجیے گا کہ یہ بات تین کے بعد کسی چوتھے کے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔ خالہ جان تک بھی نہیں، ورنہ سمجھ لیجیے سب چوپٹ۔"

Akram Allahabadi

''سمجھ گئی۔'' وہ یہ کہہ کر مسکراتی ہوئی چلی گئی۔

''یہ کیا کر دیا آپ نے، بالے صاحب؟'' پیرو مرشد نے اسے گھور کر پوچھا۔

''یہ سب بڑے مرشد کی کارستانی ہے۔ شاید فون پر شہزاد کو اشارتاً ہمارے بارے میں بتا دیا ہے، ورنہ وہ تو یہاں سے بھاگنے والا تھا۔''

''تو پھر؟''

''نبھانا پڑے گا۔''

''اور جو کسی نے سن یا دیکھ لیا ہو؟''

''نہیں، وہ اس وقت اس عمارت میں نہیں ہے۔''

''کیا یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ان تمام حرکتوں کی پشت پر وہی ہے؟''

''آج معلوم ہو جائے گا۔''

''اس خالہ جان نے میرا بری طرح پیچھا لے رکھا ہے۔ عجیب مشکل ہے، کہتی ہے مجھے بھی اپنا مرید بنا لیجیے۔''

''سبحان اللہ، کیا دکان چلی ہے پیری کی، بیچ چوراہے پر بھانڈا پھوڑ دوں گا۔''

''ارے، میں تو ایک بات بتا رہا ہوں۔''

''رفو بھائی، معتقد قسم کی عورتیں بہت خطرناک ہوا کرتی ہیں، آپ کی وفاداری مونچھیں تو خیر اصلی ہیں، لیکن جس دن اس ریش مبارک پر ہاتھ پڑ گیا تو اتنی سنڈلیں پڑیں گی کہ سر اقدس دکن کا پلیٹو بن جائے گا۔''

لیکن اس سے پہلے کہ رؤف کوئی جواب دے، غزالہ آ پہنچی۔

''یہ رہی آپ کی مونچھ۔'' اس نے نقلی مونچھ بالے کی طرف بڑھا دی اور بالے نے جلدی سے اسے لے کر اپنے ہونٹوں کے اوپر ناک کے نیچے چپکا لیا۔

''اے حضور، یہاں ہیں، وہاں ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' خالہ جان کی آواز سنائی

دی۔وہ شاید پیرومرشد کو تلاش کرتی پھر رہی تھیں۔

''جایئے، زہر مار کیجیے۔''بالے نے آہستہ سے کہا۔

مگر پیر صاحب کے ساتھ شاگردِ رشید کو بھی کھسکنا پڑا۔خالہ جان کب چھوڑنے والی تھیں۔

خان کے ٹیلی فون نے شہزاد کے دل و دماغ سے اس آسیبی دہشت کو وقتی طور پر بالکل زائل کر دیا تھا اور غزالہ، شہوار یا خالہ جان کو کیوں کہ گزشتہ شب کوئی واقعی واقعہ ہی پیش نہیں آیا تھا، اس لیے وہ پہلے سے زیادہ مطمئن نظر آ رہی تھیں۔

خالہ جان کے خیال میں تو یہ پیر صاحب کے قدموں کی ہی برکت تھی۔پچھلے تین دن ان کے سخت کوفت اور بوریت میں گزرے تھے، اس لیے اس وقت تفریح کا پروگرام بن گیا۔

پیرومرشد اور ان کے شاگردِ رشید نے تو وظیفہ خوانی کے بہانے معذرت طلب کر لی۔اور ویسے بھی اللہ والے اس قسم کی تفریحات میں کب دلچسپی لیتے ہیں۔حالاں کہ بالے کو یہ معذرت کھل گئی۔مجبوری یہ تھی کہ انھیں اس قسم سے فائدہ اٹھا کر کچھ کام کرنے تھے۔پیر صاحب نے تو صاف صاف کہہ دیا کہ گھوڑا کیا، وہ تو گدھے کی سواری بھی نہیں جانتے۔

ہدایت ملتے ہی نوکروں نے سرا کبر کے اصطبل سے تین گھوڑے نکلوا دیے جن میں زین کسے ہوئے تھے۔خالہ جان اس بوڑھاپے میں کیس شہسواری کرتیں۔صرف غزالہ، شہزاد اور شہوار ان گھوڑوں پر دن نکلتے اکبر پور کے نزدیک والے جنگل کی چوڑی سرسی ندی کی طرف روانہ ہو گئے۔

ان کا راستہ ناہموار ٹیلوں اور دو طرفہ گھنے بلند درختوں کے درمیان سے گزرتا تھا۔غزالہ مصلحتاً کچھ پیچھے ہی چل رہی تھی تاکہ شہزاد اور شہوار آزادی سے آپس میں گفتگو کر سکیں اور پھر کچھ سوچ کر اس نے اپنا گھوڑا دوسرے راستے پر ڈال دیا۔وہ دراصل اپنے بھائی اور اپنی ہونے

والی بھابی کے ان رومان انگیز لمحات میں مخل ہونا نہ چاہتی تھی ۔شہزادا ورشہوار بھی سمجھ گئے اور انھوں نے اسے روکا بھی نہیں

☆☆☆☆☆☆

وہ اپنی دھن میں موسمِ بہار کا ایک گیت گنگناتی اپنا گھوڑا دوڑاتی چلی جا رہی تھی ۔ندی نالے سب شباب پر تھے اور چاروں طرف سبزہ زار پھیلے تھے ۔درختوں کے پتے سبز اوران کی پھننگیں سنہری مائل تھیں جو ابھرتی دھوپ کی ترچھی کرنوں سے کبھی زمردی کی طرح چمکنے لگتیں اور کبھی فیروزہ کی طرح ۔اس وقت کی ہوا نیم گرم ،نیم خنک تھی اوراس سہانے اور پر بہار منظر کی کیف آگیں میں کھو کر غزالہ پچھلے تین دنوں کے واقعات کا غم انگیز تاثر اور باپ کی جدائی کا صدمہ بھی وقتی طور پر بھول گئی تھی ۔اپنے تیز رفتار گھوڑے پر دوڑتے ہوئے وہ جنگل میں ابھی یہاں اور ابھی وہاں اڑتی ہوئی ایک سرخ تتلی نظر آ رہی تھی ۔کیوں کہ اس نے چمک دار خاکی کوڈرائے کی برجیس پر سرخ گرم جاکٹ پہن رکھی تھی، بے خیالی میں یہ بھول کر کہ باپ کو گزرے ہوئے ابھی چوتھا ہی دن ہے،اس نے لالہ کا ایک تازہ پھول بھی اپنے بالوں میں لگا لیا تھا ۔

دوطرفہ گھنے درختوں کے درمیان سے کبھی تن کر اور کبھی جھک کر گزرتے ہوئے وہ ایک پتھریلے ٹیلے پر گھوڑا دوڑانے لگی ۔یہاں چٹانوں کے اردگرد کنکریاں پھیلی ہوئی تھیں اور ٹیلے سے نیچا کبر پور کی چوڑی نیم پختہ سڑک ایک بل کھائے ہوئے سانپ کی طرح حدِ نظر تک لہراتی چلی گئی تھی ۔اس وقت صرف ایک کار اس سڑک پر دوڑتی نظر آ رہی تھی ۔غیر متوقع طور پر اچانک اس کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ سنبھل نہ سکا ۔وہ تو خیریت ہوئی کہ اس ٹھوکر پر غزالہ زین سے چیخ مار کر اچھل گئی اور ایک اتفاق کے طور پر اس کا ایک پیر رکاب سے نکل گیا جس کی وجہ سے وہ گھوڑے کی مخالف سمت میں گری ۔دوسرا پیر بھی گرتے ہی دوسری رکاب سے

Akram Allahabadi

باہر ہو گیا اور وہ نشیب کی طرف لڑھک گئی۔ شاید اس کی چیخ سڑک پر دوڑتی کار تک پہنچ گئی تھی۔

گرتے گرتے اسے تھوڑا ہوش تھا۔ پہلے اس نے کسی کار کی آواز سنی پھر سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا اور پلکیں وزنی ہو کر جھک گئیں۔

کار ٹیلے کے نیچے ہی رک گئی۔ اس میں سے اترنے والا ڈاکٹر رشید تھا۔ وہ کار کا دروازہ بھیڑتا ہوا تیزی سے اوپر کی طرف دوڑا۔ اس نے کنکروں پر جوتے کے چمڑے کے تلوں کے پھسلنے کی بھی پرواہ نہ کی۔

"غزالہ!" اس کے منہ سے حیرت سے نکلا۔ غزالہ اس کی نظروں کے سامنے بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ بے قراری کے عالم میں ڈاکٹر اس پر جھک گیا۔ بیگ تو وہ کار میں ہی بھول آیا تھا۔ اس نے اپنے رومال سے اس کے سر کا زخم پونچھ دیا، مگر باندھتا کس چیز سے۔ پھر اس کی نظر اپنی ٹائی پر گئی۔ اس نے جلدی سے ٹائی کھول کر اس کے سر پر باندھ دی۔ لیکن وہ اب تک بے ہوش تھی۔ مجبوراً ڈاکٹر نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ دل کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی کسی آرزو کے تحت غزالہ کو اپنے دھڑکتے دل سے اس قدر قریب محسوس کر کے اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہونے لگی۔ دوڑنے سے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ غزالہ کے زخم سے اب تک خون رس رہا تھا، جو اس کے چہرے سے بہہ کر ڈاکٹر کے کوٹ کی آستین میں جذب ہو رہا تھا۔ اس خون کو دیکھ دیکھ کر اس کا دل اور بے چین ہوا جا رہا تھا۔ مگر کار کے نزدیک پہنچ کر اس کے قدم رک گئے۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ اسے کار میں ڈالے یا نہ ڈالے۔ وہ اس غلط فہمی کو ابھی تک نہ بھولا تھا جو اس دن اس کے بارے میں سپرنٹنڈنٹ پولیس کی تفتیش کی وجہ سے اس کے بارے میں شہزاد اور غزالہ وغیرہ کے دماغ میں پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے غزالہ کو سڑک کے کنارے ہری ہری گھاس پر لٹا دیا اور کار سے اپنا بیگ نکال کر پہلے اس کے زخم کی ڈریسنگ کی

پھر وہ اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔غزالہ کو ہوش آئے زیادہ دیر نہ لگی۔آنکھیں کھولتے ہی سب سے پہلے اس کی نظر ڈاکٹر کے کوٹ کی خون آلود آستین پر پڑی۔وہ ایک دم چونک پڑی۔

''خو...،خون...''اس کے منہ سے نکلا۔اور پھر ڈاکٹر کی شکل دیکھتے ہی اس نے خوف زدہ ہوکر چیخ ماری۔

''میں ڈاکٹر رشید ہوں،غزالہ۔''ڈاکٹر نے پیار بھرے نرم لہجے میں کہا۔

''تم...تم...خونی...درندے۔''وہ یہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور اس بری طرح سے سڑک پر بھاگی کہ ڈاکٹر کو کچھ اور کہنے کا موقع ہی نہیں ملا۔اس نے شدت جذبات سے اپنے ہونٹ دانتوں میں بھینچتے ہوئے سر جھکا لیا اور کار کی کھڑکی سے ٹک کر کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

گھوڑا الٹ گیا

مانی کا کمرہ باہر سے بند تھا۔اس کی پچھلی کھڑکی دارالاکبر کے عقبی حصے میں کھلتی تھی، جہاں سبز میدان میں قلمی آموں کے جھکے جھکے درخت تھے اور اس کے دوسرے کنارے پر مانی کی کوٹھری تھی۔اس وقت یہاں گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔اچانک پیرومرشد کی شکل ایک کمرے کی کھلتی کھڑکی سے باہر جھانکتی نظر آئی۔اور پھر وہ مع اپنے چوغے کے باہر نکل آئے۔پہلے انھوں نے ادھر ادھر گھوم کر دیکھا، پھر تیزی سے وہ اس کمرے کی بند کھڑکی کے نزدیک آ کر رک گئے جو مانی کے کمرے کے عقب میں تھی۔کھڑکی اندر سے بند تھی، لیکن ایک اسکروڈرائیور نے رؤف کی مشکل حل کر دی۔کھڑکی کھول کر وہ اندر کود گیا اور کھڑکی کو پھر بند کر لیا۔کمرہ سلیقے سے سجا ہوا تھا۔ایک طرف ایل لجکوی کی مسہری پڑی تھی، جس پر مچھر دانی لٹک رہی تھی۔ایک کونے میں رائٹنگ ٹیبل تھا، جس کے ساتھ ایک کرسی لگی رکھی تھی۔دوسرے کونے میں ایک الماری تھی جس میں کتابیں بھری ہوئی تھیں۔کمرے میں دو تین صندوق بھی رکھے تھے۔ایک چھوٹا سوٹ کیس تھا۔رؤف نے یہاں موجود ایک ایک چیز کی تلاشی شروع کر دی۔

اس کمرے کی تلاشی لیتے ہوئے اسے تقریباً پندرہ منٹ لگ گئے، لیکن وہ کوئی خاص چیز نہ پا سکا۔اور اسے پچتاپڑ گیا کہ کہیں وہ غلط جگہ تو نہیں آ گیا ہے۔مگر پھر اچانک اسے اس چھوٹے سے سوٹ کیس کا خیال آ گیا جو رائٹنگ ٹیبل کے نیچے اندر کی طرف رکھا ہوا تھا۔وہ مقفل تھا، مگر ایک موٹے پن سے اس کے تالے کا اسپرنگ دباتے ہی وہ کھل گیا۔اس کے اندر صرف مختلف قسم کی ٹائیاں اور رومال رکھے تھے۔پہلے تو اس کا جی چاہا کہ اس بے کار سی چیز کو یوں ہی چھوڑ دے، مگر پھر ادھوری محنت کا خیال چھوڑ کر وہ اس کی ایک ایک چیز پلٹ کر دیکھنے لگا۔اس وقت اتفاق سے اس کی انگلیاں سوٹ کیس کے نچلے حصے سے ٹکرائیں تو وہ چونک پڑا۔

اس پر انگلیاں پڑنے سے ایسی آواز پیدا ہوئی تھی جیسے وہ کوئی دفتی ہو۔ رؤف نے سوٹ کیس کو پلٹ کر دیکھا تو اس کا نچلا حصہ چمڑے کا تھا۔ اسے اس پر شک ہو گیا۔ یہ مشکل بھی ایک معمولی سی سیفٹی بلیڈ نے حل کر دی۔ اس کا شبہ صحیح نکلا۔ اندر تقریباً ایک انچ کا خلاء تھا۔ اس نے پوری دفتی ادھیڑ ڈالی اور وہ چونک پڑا۔

ایک رومال لپٹا ہوا کاغذات کا ایک پیکٹ۔ مگر وہ اسے ٹھیک سے سیکھ نہ سکا، کیوں کہ باہر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔ اس نے وہ پیکٹ جیب میں ڈال لیا اور سوٹ کیس بند کر کے جلدی سے مسہری کے نیچے گھس گیا۔

مانی کوٹھی میں داخل ہوا ہی تھا کہ بالے کی نظر پڑ گئی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔

''مم مانی صاحب۔'' اس نے دوڑ کر اسے آواز دی۔ مانی آواز سن کر ٹھہر تو گیا، لیکن اس کے بشرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ یہ بے وقت کی شہنائی اسے ناگوار گزری ہے۔ وہ بے چین سا نظر آنے لگا۔

''فرمایئے؟'' اس نے روکھے سے لہجے میں پوچھا۔

''ارے تو آپ کو کچھ بھی خبر نہیں ہے گویا۔'' بالے نے اظہار حیرت کیا۔

''کس بات کی؟'' مانی نے پوچھا۔

''کمال ہے، یعنی کہ آپ اتنے بے خبر رہتے ہیں؟''

''آخر آپ کچھ بتائیں گے بھی؟''

''میں کیا خاک بتاؤں، جب آپ کو خود ہی بسنت کی خبر نہیں۔''

''آپ براہِ کرم میرا وقت مت برباد کیجیے۔''

''میں وقت برباد کر رہا ہوں، لاحول ولاقوۃ۔''

بالے نے زبردستی سلسلۂ گفتگو دراز کرتے ہوئے کہا۔ مانی اور جھنجلا گیا۔

''میں آپ لوگوں کی طرح کوئی پیر فقیر نہیں ہوں جو بسنت کی خبر رکھوں۔'' اس کے لہجے میں طنز تھا۔

''سبحان اللہ، تو اب ہم فقیر بھی نظر آنے لگے آپ کو؟ آپ کی تو ایسی تیسی۔'' بالے نے بگڑ کر آستینیں چڑھالیں۔

''ارے، ارے۔ یعنی کہ آپ سمجھ کیا رہے ہیں؟''

''میں آپ کا سر سمجھ رہا ہوں۔ آپ نے فقیر بنا دیا مجھے۔ لاحول ولاقوۃ۔''

''دیکھیے، آپ شرافت...'' مانی نے اسے سمجھانا چاہا۔

''تیل لینے گئی شرافت۔ آپ نے آخر کیا سمجھ کر ایسا لفظ نکالا منہ سے؟''

''لیکن جناب فقیر تو بزرگوں کو کہتے ہیں۔''

''تو جمعہ جمعرات آنے والے آپ کے بزرگ ہوتے ہوں گے۔''

''دیکھیے آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔''

''نہیں دیکھتا۔ اب مجھے جلال آ گیا ہے، مانی صاحب۔ میں من مانی کروں گا۔''

''میں شہزادمیاں سے شکایت کروں گا۔''

''شہزادمیاں؟ اوہ، یاد آیا۔ میں یہی تو کہنے جا رہا تھا آپ سے۔'' بالے کا موڈ ایک دم بدل گیا۔

''کیا کہنے جا رہے تھے آپ؟'' مانی نے بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

''یہی کہ بہت دیر سے تینوں گھوڑوں پر تفریح کرنے گئے ہیں اور ابھی تک نہیں لوٹے۔''

''نہیں لوٹے؟'' وہ چونک پڑا۔

لیکن اس سے پہلے وہ کچھ کہتا، پورٹیکو کے باہر گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی اور اس کے ایک منٹ بعد ہی شہزادا اور شہوار اندر داخل ہوتے نظر آئے۔

Akram Allahabadi

''شکر الحمدللہ۔'' بالے نے انھیں دیکھتے ہی کہا۔ ''پیر و مرشد آپ لوگوں کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ ارے، مگر...'' وہ کہتے کہتے پھر چونک پڑا۔ اس کی نگاہیں کسی اور کو تلاش کر رہی تھیں۔ غزالہ ان کے ساتھ نہیں تھی۔

''مگر کیا؟'' شہزاد نے پوچھا۔

''وہ... یعنی کہ غزالہ...؟''

''غزالہ؟'' شہزاد کا ماتھا ٹھنکا۔ ''کیا وہ ابھی تک نہیں پہنچی یہاں؟'' جواب میں بالے نے نفی میں گردن ہلا دی۔

''مگر وہ تو ہم سے بہت پہلے ہی علیحدہ ہو کر واپس آ گئی تھیں۔'' شہوار حیرت سے بولی۔

''ضرور کچھ گڑبڑ ہے۔ آپ لوگوں کو اتنی لاپرواہی نہیں برتنی چاہیے تھی۔'' یہ کہتا ہوا بالے باہر کی طرف دوڑا۔ باہر ایک نوکر ابھی شہزاد کا گھوڑا اصطبل کی طرف لے جا رہا تھا کہ بالے نے دوڑ کر اس سے لگام چھین لی اور ایک جست میں وہ گھوڑے کی پشت پر تھا۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟'' شہزاد دوڑ کر قریب آتے ہوئے بولا۔

''پیر صاحب کے باہر آنے تک آپ مانی کو کسی کام میں الجھائے رکھیے۔ وہ اپنے کمرے میں نہ جانے پائے۔'' بالے نے آہستہ سے کہا۔ اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

صرف اسی وقت وہ لوگ یہ جان سکے کہ محکمۂ سراغ رسانی کا یہ شیطان ان کی طرح مشہور سارجنٹ ایک بہترین شہسوار بھی ہے۔ چشمِ زدن میں شہزاد کا گھوڑا ان سے لے کر ان کی نظروں سے روپوش ہو گیا۔

وہ تیزی سے اپنا گھوڑا پہاڑی سلسلے کی سب سے اونچی چوٹی کی طرف دوڑا رہا تھا اور گھوڑا بھی کسی اچھی نسل کا ہی معلوم ہوتا تھا، کیوں کہ ناہموار زمین پر بھی وہ جھاڑیوں کے درمیان سے تیر کی طرح گزر رہا تھا۔ چند منٹ بعد بالے اس سب سے اونچے ٹیلے پر پہنچ گیا۔

Akram Allahabadi

گھوڑے کو ایک صاف جگہ پر روک کر وہ رکاب میں پیر دیے اس کی پیٹھ پر کھڑا ہو کر چاروں طرف نظر دوڑانے لگا۔ اس کا طریقِ کار سودمند نکلا۔ اسے دور نیچے دارالاکبر کے طرف جاتی ہوئی کچی سڑک پر دوڑتی ہوئی غزالہ ایک چھوٹی سی گڑیا کی طرح نظر آئی۔ اس نے یہ بھی دیکھ لیا کہ ایک کار آہستہ رفتار میں اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس کار سے خوف زدہ ہو کر چیختی بھاگی جا رہی ہے۔ بالے نے گھوڑے کو پھر مہمیز لگائی اور ڈھلوان کی طرف اسے ڈھیلا چھوڑ دیا۔ بہت جلد وہ سڑک پر پہنچ گیا۔ گھوڑے پر سوار کسی کو اپنی طرف آتے دیکھ کر وہ اور تیز دوڑنے لگی۔ اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی، بچاؤ، بچاؤ، کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

''گھبرایئے نہیں، اب آپ کا کوئی بال بیکا نہیں کر سکے گا۔'' بالے نے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اترتے ہوئے اس کے سامنے ہو کر کہا۔ وہ کچھ اس قدر خوف زدہ تھی کہ دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔

''مم... مجھے اس خونی سے بچایئے۔ وہ... ڈاکٹر...'' اس نے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ بمشکل کہا۔

''ڈاکٹر...؟'' بالے چونکا۔ اور اس وقت ڈاکٹر کی کار اس کے نزدیک پہنچ کر رک گئی۔

''کیا بات ہے، ڈاکٹر صاحب؟'' بالے نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

''مجھے خود بھی معلوم نہیں۔ انھیں زخمی اور بے ہوش پا کر میں ان کی ڈریسنگ کر کے جب انھیں ہوش میں لایا تو یہ میری صورت دیکھتے ہی چیخ مار کر بھاگ اٹھیں۔'' ڈاکٹر نے معصومیت سے کہا۔

''یہ جھوٹا ہے... یہ خونی ہے۔ میرے ابا حضور کا قاتل۔'' وہ ہذیانی انداز میں بڑبڑائی۔

''ڈاکٹر صاحب، اس آپ جایئے۔ یہ صفائی پھر کسی موقع سے ہو جائے گی۔'' بالے

نے قریب جا کر ڈاکٹر کو آہستہ سے سمجھایا۔

''میں تو اس خیال سے ان کے پیچھے آ رہا تھا کہ خدانخواستہ کوئی دوسرا حادثہ نہ پیش آجائے۔'' ڈاکٹر نے بالے سے کہا۔

''ٹھیک کیا آپ نے۔'' یہ کہہ کر وہ غزالہ کی طرف پلٹ آیا۔

''آپ آیئے، ڈاکٹر سے ہم پھر سمجھ لیں گے۔'' بالے نے اسے گھوڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے غزالہ کو گھوڑے پر سوار کرا دیا اور خود ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ ڈاکٹر نے اپنی کار پلٹا لی۔ وہ واپس روانہ ہو گیا۔۔ اس وقت وہ بہت اداس ہو رہا تھا۔

''آپ کا گھوڑا کہاں ہے؟''

''مجھے یاد نہیں۔''

''آپ کو کیا ہوا تھا؟''

''مجھے نہیں معلوم۔ بس اچانک میرا گھوڑا بھڑکا اور اس نے مجھے پٹک دیا اور میں بے ہوش ہو گئی۔''

''آپ کے سر کی ڈریسنگ ڈاکٹر نے اپنی ٹائی سے کی ہے۔ کیا آپ سمجھ سکتی ہیں؟''

''ٹائی سے؟'' وہ چونکی، پھر اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ بالے ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔

''اوہ، شاید دکھانے کے لیے؟''

''نہیں، وہ ایسا برا آدمی تو نہیں معلوم ہوتا۔ وہ خود آپ کی حفاظت کے لیے ہی آپ کے پیچھے آیا تھا۔''

''لیکن پولیس کو تو اس پر ابا حضور کے قاتل کا شک ہے۔'' غزالہ نے کچھ نہ سمجھ کر کہا۔

''پولیس کے بہت سے کام مصلحتاً بھی ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے نتائج کچھ اور ہوں۔'' بالے نے مبہم سے لہجے میں کہا۔

Akram Allahabadi

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی؟''

''پھر کسی موقع پر سمجھا دوں گا۔''

''لیکن آپ پیدل چل رہے ہیں، اور میں...؟'' اس نے کہنا چاہا۔

''شاید آپ کو ناگوار ہو، اس لیے میں نے پیدل چلنا ہی مناسب سمجھا۔''

لیکن نہ تو غزالہ نے اس جملے کا کوئی جواب دیا نہ ہی بالے نے کوئی اور مزید گفتگو کی۔ وہ خموشی سے اپنی اپنی جگہ کچھ سوچتے ہوئے دارالاکبر کی طرف چلے جا رہے تھے۔ جب وہ دارالاکبر کے احاطے میں داخل ہوئے تو وہاں وہ سب ان کے منتظر تھے۔

خالہ جان تو رو رہی تھیں اور پیر صاحب انھیں سمجھا رہے تھے کہ گھبرایئے نہیں، بچی ضرور لوٹ آئے گی۔ بالے کے ساتھ صحیح وسلامت غزالہ کو دیکھ کر فرطِ مسرت وحیرت سے ان کی چیخیں نکل گئیں۔ شہوار دوڑ کر غزالہ سے لپٹ گئی۔ مانی بھی موجود تھا، لیکن بالے نے اس کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں دیکھے۔ اتنے میں اندر سے پیرومرشد بھی دعائیں پڑھتے نکل آئے۔ غزالہ کو دیکھ کر انھوں نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

''یا اللہ، تیرا شکر ہے۔ کتنی فکر تھی مجھے اس بچی کی۔'' وہ بولے۔

''کیوں نہ ہوگی، پیرومرشد۔'' خالہ جان نے جلدی سے تائید کی۔

''مرید کی لڑکی اپنی اولاد کی طرح ہی ہوا کرتی ہے۔'' بالے نے کسی قدر جلے ہوئے لہجے میں پیرومرشد کی طرف دیکھ کر کہا۔ اور پیر صاحب گرگٹ کی طرح گردن ہلا کر رہ گئے۔

بالے نے راستے میں ہی غزالہ سے گھوڑے سے گرنے کا حال پوچھ لیا تھا اور اس وقت جب وہ سرا کبر کے ڈرائنگ روم میں آ کر گفتگو کر رہے تھے، وہ گھوڑا جس پر غزالہ تفریح کرنے گئی تھی، وہ لنگڑاتا ہوا احاطے میں داخل ہوا۔ ایک نوکر نے فوراً دوڑ کر اندر خبر کر دی۔ بالے اور شہزاد فوراً باہر نکل آئے۔ گھوڑے کا ایک گھٹنا زخمی تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ مانی بھی پیچھے سے آن پہنچا۔

''کیا یہ ان کا مخصوص گھوڑا ہے؟'' بالے نے آہستہ سے شہزاد سے پوچھا۔

''ایسا خاص تو نہیں، لیکن وہ اسے پسند کرتی ہے۔''

''اوہ..'' یہ کہتا ہوا وہ اس سے قبل کہ سائیس آ کر گھوڑے کو تھامے اور اصطبل میں لے جائے، خود گھوڑے کے نزدیک پہنچ گیا۔ شہزاد نے بھی قریب آ کر گھوڑے کو تھپکی دی، اس کا زخم دیکھا اور پھر سائیس کو اشارہ کیا کہ وہ اسے لے جائے۔ بالے اپنی دھن میں بے تعلق سا کھڑا رہا۔ لیکن اس کی نظریں گھوڑے کے پیروں کے نشانات پر تھیں۔ وہ ایک طرف کھڑا گھوڑے کو اصطبل میں جاتے دیکھ رہا تھا۔ گھوڑے کے اصطبل میں لائے جانے کے بعد شہزاد پلٹ کر پورٹیکو سے ہوتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ مانی بالے کے پیچھے جا رہا تھا اور بالے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ اس نے زمین پر غور سے دیکھا۔ رات کی اوس سے نم آلود کچی زمین پر گھوڑے کی ناپوں کے نشانات میں چوتھے پیر کی طرف خفیف سے گڑھے نظر آئے تھے۔ باقی تین پیروں میں نعل تھے۔

مانی کے اندر داخل ہو جانے کے بعد بالے رک گیا اور پھر تیزی سے وہ اصطبل کی طرف چل پڑا۔ سائیس گھوڑے کو اندر لے جا کر دروازہ بند کرنے ہی والا تھا کہ بالے نے پیر اُڑا دیا۔

''ذرا ٹھہرو۔'' وہ بولا۔ اور سائیس حیران حیران نظروں سے اسے دیکھتا پیچھے ہٹ گیا۔ بالے نے اندر داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیا اور چبھتی ہوئی نظروں سے سائیس کو گھورتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ سائیس کے چہرے پر حیرت و خوف کے آثار نمایاں ہو گئے۔

''مم... حضور... کچھ غلطی ہوئی مجھ سے؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''زخمی گھوڑے کے ایک پیر کا نعل کس نے نکالا تھا؟'' بالے نے تحکمانہ لہجے میں اس سے سوال کیا۔

''نن.. نعل... مم... مجھے معلوم نہیں، صاحب۔ راستے میں نکل گیا ہوگا۔''

''جھوٹ بولے تو پھانسی کے تختے پر پہنچادوں گا۔ بتاؤ کس کے کہنے پر تم نے نعل نکالا تھا؟'' بالے نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے اپنا سوال دہرایا۔

''صاحب، میں غریب آدمی ہوں۔ مجھ پر شک نہ کیجیے۔'' وہ گڑگڑانے لگا۔

''شک؟ اگر صاحبزادی کو کچھ ہوگیا ہوتا تو میں تمہیں اسی وقت یہیں گولی مار دیتا۔''

''میں اپنے بال بچوں کی قسم کھاتا ہوں سرکار۔ مجھے کچھ معلوم نہیں۔''

''صبح تمہارعلاوہ بھی کوئی اصطبل میں آیا تھا؟''

''صبح؟'' وہ سوچ میں پڑ گیا۔

''ٹھیک ٹھیک جواب دو، جھوٹ بولا تو خود پھنسو گے۔''

''نہیں، حضور۔'' وہ معصومیت سے بولا۔ ''اورتو کوئی نہیں آیا، صرف مانی ہی گھوڑوں کے لیے کہنے آئے تھے۔''

''مانی صاحب۔'' بالے بڑبڑایا۔ پھر وہ ٹہلتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا جہاں سائیس نے گھوڑے کو باندھا تھا۔ اصطبل میں کل چار گھوڑے تھے، جن میں سے ایک اکبر کا تھا باقی تین گھر کے لوگوں اور مہمانوں کی سواری کے لیے۔ گھوڑوں کے.....طرف رکھے جاتے تھے۔ اس سمت اصطبل کی دیوار میں کھلی کھڑکیاں تھیں جن مین لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ مگر یہ سلاخیں ایک دوسرے سے اس قدر فاصلے پر تھیں کہ اگر چاہے تو ایک آدمی بآسانی ان میں سے اندر داخل ہوسکتا تھا۔ کچھ سوچتا ہوا وہ اس گھوڑے والی کھڑکی کے نزدیک پہنچ گیا۔ زمین پر اس کی نظریں اس چوتھے نعل کو ڈھونڈ رہی تھیں جو گھوڑے کے پیر سے نکالا گیا تھا، لیکن نعل کی بجائے وہ کچھ اور دیکھ کر چونک پڑا۔

کھڑکی پر کسی آدمی کے جوتے کی صرف ایڑی کا نشان، جس کے ساتھ اب خشک ہوجانے والی گیلی مٹی کے کچھ ٹکڑے ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ ایڑی کا رخ بتاتا تھا جیسے کوئی اس کھڑکی کے ذریعے اندر داخل ہوا ہو۔ بالے کا دماغ الجھن لگا۔ اگر وہ رومانہ نہیں تھی تو

پھر کون تھا۔اور مانی تھا تو اسے دونوں طرف سے آنے کی کیوضرورت تھی۔

''آؤ، اس گھاس میں مجھے ایک نعل تلاش کرنے میں مدد دو۔'' وہ اس سائیس سے بولا۔

''بہت اچھا سرکار۔'' وہ فوراً آمادہ ہوگیا۔ساتھ ہی بالے نے اسے یہ بھی جتادیا کہ وہ اس وقت کی گفتگو واس کی آمد کا ذکر کسی سے بھی نہ کرے ورنہ اس کا برا حشر ہوگا اور سائیس نے ڈر کر وعدہ کرلیا۔لیکن گھاس میں نعل تلاش کرتے کرتے اچانک بالے کچھ محسوس کر کے چونک پڑا۔صرف ایک جھلک، جیسے دھوپ سے کسی کا سایہ ایک کھلی کھڑکی پر پڑا ہو، اور فوراً غائب ہوگیا ہو۔

''تم پورا اصطبل چھان ڈالو، اگر تمہیں وہ نعل مل جائے تو چپکے سے میرے پاس لے آؤ، تمہیں انعام ملے گا، مگر خبردار جو کسی کو خبر ہوئی، ورنہ یہ تمہارے لیے بہت برا ہوگا۔''

''سمجھ گیا، صاحب۔ایسا ہی ہوگا۔'' وہ بولا۔

اور بالے اصطبل کا دروازہ کھول کر فوراً باہر نکل گیا۔وہ تیزی سے اصطبل کی پشت کی طرف دوڑا، لیکن جب وہ وہاں پہنچا تو کوئی بھی نہ تھا۔احاطے میں بھی اسے کوئی نظر نہیں آیا۔وہ اس کھڑکی کے نزدیک پہنچ کر رک گیا اور جھک کر زمین کو غور سے دیکھنے لگا۔یہاں اسے کسی کے جوتوں کے نشان نظر آگئے اور یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں کہ ان نشانات میں ایڑیوں کے نشان بالکل ویسے ہی تھے جیسا ایک نشان اس نے کھڑی پر اندر کی طرف دیکھا تھا۔

نشانات کا رخ احاطے کی دیوار کی سمت تھا، لیکن وہ زیادہ دور تک اسے نظر نہ آسکے کیوں کہ آگے ہری ہری گھاس میں اسے کسی نشان کا ملنا ناممکن تھا۔بہرحال وہ کچھ سوچ کر اس چوکی کی طرف چل پڑا، جس میں دربان رہا کرتا تھا۔دربان شاید رات کی ڈیوٹی سے تھکا ہوا سا چوکی کے اندر ایک لکڑی کے کھوکے پر بیٹھا دیوار سے ٹکا خراٹے لے رہا تھا۔بالے کے جھنجوڑنے پر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''کیا بات ہے، صاحب؟'' اس نے سلام کرتے ہوئے کہا۔

''صبح کوئی احاطے کی تار کود کر اندر داخل ہوا تھا؟''

''نہیں تو، صاحب۔ ایسی کس کی مجال ہے۔'' وہ بولا۔

''کوئی نیا آدمی آیا تھا؟''

''بالکل نہیں، صاحب۔''

لیکن اس کے لہجے سے بالے یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ صاف اور پڑھے لکھوں جیسی زبان بول رہا ہے۔ پھر بھی اس نے اپنے سوالات جاری رکھے۔

''رات کو یا صبح تم نے کسی کو اصطبل کی طرف جاتے دیکھا تھا؟''

''صرف مانی صاحب صبح گئے تھے اور کوئی نہیں۔'' دربان نے جواب دیا۔

''اونہہ۔'' بالے سوچ میں پڑ گیا۔ ''خیر، تمہیں زیادہ احتیاط رکھنے کی ضرورت ہے۔ بغیر اجازت کوئی کوٹھی میں داخل نہ ہونے پائے۔''

''بہت اچھا، صاحب۔'' دربان نے پھر سلام کیا اور بالے باہر نکل آیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

دوسرا حملہ

دربان کے رہنے کے لیے بھی غلام گردش کے کمروں میں سے ایک کمرہ وقف تھا۔ لیکن وہ زیادہ تر چوکی پر ہی رہتا تھا۔ البتہ رات کو کوٹھی کے کچھ چکر لگا لیتا۔ بالے کو اس کے انداز کلام پر کچھ شبہ ضرور ہوا تھا، لیکن پھر یہ سوچ کر کہ ہو سکتا ہے کوئی پڑھا لکھا مصیبت کا مارا بے روز گار رہا ہو۔ اس نے اس پر زیادہ دھیان نہیں دیا۔ ویسے دربان کے پیروں میں جوتے بھی پرانے اور فوجی ٹائپ کے تھے، جن کا ان نشانات سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا تھا۔ اور ایک دربان کے لیے کوٹھی کے ماحول کے بارے میں کچھ جاننا بھی ایک ان ہونی سی بات تھی۔ اس کی ڈیوٹی تو اس چوکی پر رہتی یا شب گشتی۔ اور پھر وہ جو کوئی بھی تھے، بھوت، بدروح یا انسان، وہ کم از کم دو تھے۔ بالے ڈرائنگ روم میں رکھے ہوئے ان قد آدم مجسموں کو بھی اچھی طرح دیکھ چکا تھا، وہ قطعی بے جان چیزیں تھیں۔ زرہ بکتر والے مجسمے کھوکھلے تھے، صرف ایک فریم پر زرہ بکتر پہنا دیا گیا تھا، لیکن نیگرو کا سیاہ مجسمہ ٹھوس تھا۔ بالے کو شک تھا کہ اس رات ان مجسموں کو ہٹا کر ان کی جگہ ان لوگوں نے لے لی ہوگی۔ وہ یہ تسلیم کرنے کے لیے بہر صورت تیار نہ تھا کہ ان مجسموں میں جان پڑ گئی ہو۔ ساتھ ہی اسے یہ بھی یقین ہو چکا تھا کہ غزالہ کے گھوڑے کی نال کا نکل جانا یا غائب ہونا ایک جانی بوجھی حرکت تھی، جس کا مقصد یہ تھا کہ کسی بھی سخت جگہ پر گھوڑا مجرح ہو کر گر پڑے اور اس پر سوار ہونے والی کی زندگی خطرے میں پڑ جائے۔ اگر موسم برشگال نہ ہوتا اور ندی تک کا راستہ اس سبزہ زار سے نہ گزرتا، جس کی خود رو گھاس پر غزالہ کا گھوڑا بغیر ایک نال کے دوڑتا چلا گیا تھا، تو یہ حادثہ بجائے اس پہاڑی ٹیلے کے کہیں راستے میں ہی پیش آ گیا ہوتا۔

وہ جب واپس کوٹھی میں داخل ہوا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

پیر و مرشد، غزالہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دے رہے تھے اور خالہ جان غزالہ پر

سے صدقہ اتار رہی تھیں۔

''پیرومرشد، آپ کے وظیفے کا وقت ہوگیا ہے نا؟'' بالے نے زبردستی اسے ٹوک دیا۔

''اوہ... ہاں... ارے مجھے تو وقت کا خیال ہی نہیں تھا۔'' پیرومرشد نے گویا چونک کر کہا۔

''کیوں نہ ہو، بوڑھاپے میں یادداشت کا یہی عالم ہوجاتا ہے۔''

''تم گستاخی کررہے ہو ہماری شان میں، آلو بخارا۔''

''حضور، میں نے تو مثالاً عرض کیا ہے۔'' بالے نے خالہ ضان کو دیکھ کر بات بنائی۔

بہرحال پیر صاحب اپنے حجرے کی طرف چلے گئے اور کمرے میں غزالہ اور خالہ جان رہ گئیں۔ شہزاد شاید اپنے کمرے کی طرف گیا تھا اور شہوار بھی اس کے ساتھ گئی ہوگی۔ مانی کا ابھی پتا نہیں تھا۔

''ارے، پیر صاحب بھی چلے گئے۔'' یہ کہہ کر بالے بھی ان سے کچھ گفتگو کرنے کے بہانے ان کے حجرے میں چلا گیا۔ اس نے دروازہ اندر سے بند کرلیا۔

''اب فرمایئے، پیرومرشد، آپ کی کیا خاطر کروں؟''

''پیر دبانا چاہیے۔''

''آپ نے زیادہ تقدس بگھارا تو چہرے پر صرف مونچھیں ہی مونچھیں رہ جائیں گی۔''

''پھر مونچھیں؟''

''ہائے، اس شکل پر مونچھوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔''

''لاحول ولاقوہ...''

''مانی کے کمرے کی تلاشی لی ہے؟''

Akram Allahabadi

''صرف خطوط کا ایک پیکٹ ملا ہے۔''

''کیسے خطوط؟''

''بہت کام کے۔''

''یعنی؟''

''وہ خطوط سرا کبر کے ہیں۔''

''سرا کبر کے...؟''

''ہاں، جوانھوں نے شنکر گڑھ کے پٹیل کو لکھے تھے۔ان میں ان کی اس گم نام بیوی اور اس کے بچے کا تذکرہ ہے۔سرا کبران لوگوں کے لیے جو خرچ بھیجتے تھے اس کا بھی تذکرہ ہے۔''

''وہ مارا...'' بالے اچھل پڑا۔

''کیا مطلب؟''

''سرا کبر کا وہ دوسرا لڑکا مانی ہی ہوسکتا ہے اور سرا کبر شہزاد اور غزالہ کو راستے سے ہٹانے کے بعد یہ خطوط اس کے جائز حق دار ہونے کا ثبوت دے سکتے تھے۔'' بالے نے کہا۔

''لیکن وہ بوڑھا؟ اگر آپ کی تھیوری تسلیم بھی کرلی جائے تو انکوائری رپورٹ کے مطابق اس لڑکے کی عمر ۲۲۔۲۳ سال کی ہونی چاہیے۔'' بالے سوچ میں پڑ گیا۔

''خیر...لیکن ایک چیز اور بھی ہوسکتی ہے۔'' وہ سوچتے سوچتے اچھل پڑا۔''ہوسکتا ہے کوئی اور اس راز سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا ہو۔''

''کوئی اور...؟'' رؤف نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

''ہاں، ان خطوط کے ساتھ کوئی بھی سرا کبر کی فرضی اولاد کسی کو بنا سکتا یا خود بن سکتا ہے۔'' بالے نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''تو پھر...کیوں نہ اسے گرفتار کرلیا جائے؟''

Akram Allahabadi

''موٹی مونچھوں کی طرح آپ کی عقل بھی موٹی ہے شاید۔''

''آخر میری مونچھوں کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟''

''ضرب المثل، مائی ڈیئر رفو بھائی، ضرب اُل... یہ ضرب اور مثل۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا لطیفہ؟''

''خیر...تو کیا کہہ رہا تھا میں...وہ یعنی کہ یہ آپ کس طرح ثابت کریں گے کہ یہ خطوط اسی کے کمرے یا سوٹ کیس سے برآمد ہوئے ہیں؟''

''اپنا قانون بھی لنگڑا ہے سالا۔'' رؤف جھنجلا کر بڑبڑایا۔

''اور کچھ نہیں ملا؟''

''ایک ٹائی بھی لایا ہوں، اس پر ایک مونوگرام بنا ہے۔''

''مونوحرام...، ٹائی پر...؟''

''لاحول ولاقوۃ، پھر وہی۔''

''اچھا دیکھیں اسے بھی۔''

رؤف نے اپنے چوغے کے اندر سے ایک ٹائی نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔ اس پر انگریزی کی دو حروف 'جی ایس' کا مونوگرام بنا ہوا تھا۔

''جی ایس۔ یہ مانی کا نام تو نہیں ہو سکتا؟''

''ہو سکتا ہے مانی کوئی نقلی نام ہو۔''

''نہیں، اس کے نام کے خطوط بھی میں نے چیک کیے ہیں۔ اس کا پورا نام زوار حسن مانی ہے۔''

نگران کی گفتگو ادھوری رہ گئی۔ باہر سے کوئی دروازہ پیٹ رہا تھا۔ بالے نے جلدی سے دروازہ کھول دیا اور رؤف آنکھیں بند کر کے مراقبے میں بیٹھ گیا۔ وہ غزالہ تھی، حیران اور پریشان۔

Akram Allahabadi

''کیا بات ہے؟'' بالے نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

''ابھی ابھی...وہ... بھائی جان...'' اس نے کانپتے ہاتھ سے ڈرائنگ روم کی طرف اشارہ کیا۔

''کیا ہوا آخر؟'' بالے بھی گھبرا کر اس کے ساتھ چل پڑا۔ پھر کچھ سوچ کر وہ پلٹا اور رؤف سے بولا۔ ''پیر و مرشد، مراقبہ چھوڑ کر اپنے رقبے میں آجایے۔ کچھ گڑ بڑ معلوم ہوتی ہے۔'' کہتا ہوا وہ غزالہ سے پہلے ہی دوڑتا ڈرائنگ روم میں گھس گیا۔ یہاں شہزاد فرش پر زخمی پڑا تھا۔ اور شہوار اس کا سر اپنے زانو پر لیے بیٹھی رو رہی تھی۔ بالے دوڑ کر اس پر جھک گیا۔ زخم شہزاد کے بازو میں آیا تھا۔ وہ ایک تقریباً تین فٹ لمبا تیر تھا، جو اس کے بازو میں گھس گیا تھا۔ خیریت ہوئی کہ سینے پر نہیں پڑا۔ مارنے والے کا نشانہ یقیناً چوک گیا ہگا۔ بالے نے اس کی آستین پھاڑ ڈالی۔ تیر جہاں لگا تھا وہ جگہ دو انچ کے پھیلاؤ تک نیلی ہو رہی تھی اور زخم کی جڑ سے جو خون رس رہا تھا اس کا رنگ بھی نیلاہٹ لیے ہوئے تھا۔

''تیر زہریلا ہے۔ جلدی سے ڈاکٹر کو بلایے۔'' بالے نے غزالہ سے کہا۔

''ڈاکٹر؟'' وہ سوچ میں پڑ گئی۔

''ہاں، ہاں، ڈاکٹر رشید کو۔ وہی اس وقت سب سے قریب ہوگا۔'' بالے نے کہا۔

''نہیں نہیں۔'' غزالہ کچھ یاد کر کے سر ہلانے لگی۔ ''وہ بھائی جان کی بھی جان لے ڈالے گا۔۔'' وہ بول ہی پڑی۔

''اوہو...، وہ اتنا برا آدمی نہیں ہے جتنا آپ سمجھ رہی ہیں۔ اور پھر ہملوگ موجود ہیں یہاں۔''

بالے نے یہ کہہ کر شہزاد کا دوران خون روکنے کے لیے اپنا رومال اس کے بازو کے اوپر کس کر باندھتے ہوئے کہا۔ اسی وقت اس کی نظر مانی پر پڑی جو بوکھلایا ہوا سا ہال کے دروازے سے اندر آرہا تھا۔

Akram Allahabadi

''جایئے نا، آپ میرا منہ کیا دیکھ رہی ہیں۔'' بالے جھنجلا گیا اور غزالہ کچھ نہ سمجھ کر مجبوراً تعمیل کے لیے چل پڑی۔

''یہ کیا ہوا صاحبزادے کو؟'' مانی گھبرایا ہوا سا قریب آ گیا۔

''جی کچھ نہیں، اسی بھوت نے تیر مارا ہے۔'' بالے نے چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔

''بھوت...؟ وہ کیسے تیر چلا سکتا ہے، اور سچ مچ کا؟'' مانی نے معصوم لہجے میں کہا۔

''آپ بھلا کیسے سمجھیں گے اسے۔ آپ بہت بھولے ہیں۔'' بالے لہجہ طنزیہ تھا، جس پر مانی سٹ پٹا کر چپ ہو رہا۔

غزالہ نے ڈاکٹر کو جھجکتے ہوئے جب فون کیا تو وہ اپنی ڈسپینسری میں موجود تھا۔ شہزاد کے زخمی ہونے کی خبر وے وہ بے چین سا ہو گیا اور اس نے یقین دلایا کہ وہ فوراً آ رہا ہے۔ پیرو مرشد اس وقت اپنے حجرے میں نہ تھے۔ وہ کھڑکی سے نکل کر دارالاکبر کی پشت پر پہنچ چکے تھے۔ انھیں شک گزرا تھا کہ کوئی بہت تیزی سے کھڑکی کے باہر سے گزرتا ہوا پشت کی طرف بھاگا ہے۔ لیکن عمارت کی پشت پر انھیں کوئی نظر نہیں آیا۔

جس جگہ شہزاد زخمی ہو کر گرا تھا، وہاں کھڑے ہو کر بالے نے جب تیر کے چھوڑے جانے کی سمت کا اندازہ کیا تو وہ چونک پڑا۔ وہ رابن ہڈ کے مجسمے کی طرف جھپٹ پڑا اور اس کا خیال صحیح نکلا۔ مجسمے کے ہاتھ میں جو کمان تھی اس کا تیر غائب تھا۔ بالے نے مجسمے کا وہ ہاتھ جو کمان کی باناتت کی ڈور پر تھا ہلا کر دیکھا اور اس کا شبہ یقین میں بدل گیا۔ یہ ڈور جسے ڈیڑھ انچ موٹی تانت کہا جا سکتا تھا، اس مجسمے کا حصہ نہیں معلوم ہوتی تھی، کیوں کہ یہ نئی تھی اور مجسمے کے ساتھ منسلک رہنے والی ڈور کا مجسمے کی طرح ہی پرانا ہونا یقینی بات تھی۔ پھر اس نے مجسمے کا ڈور والا ہاتھ ہلایا اور اس وقت اسے معلوم ہوا کہ یہ ہاتھ کہنی سے اور کندھے کے جوڑوں سے ہل سکتا ہے، کیوں کہ ان جوڑوں پر اندر اسپرنگ لگے ہوئے تھے۔ اب اس نے اس ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ

کراس بانات کو پکڑ کر جب تانا تو وہ تنتی چلی گئی اور کمان بھی جھکنے لگی۔ پھر جب اس نے ڈور کو چھوڑا تو واقعی وہ اس قوت سے سمٹی کہ اس سے چھوٹا ہوا تیر آدمی کے جسم تو کیا نرم لکڑی میں بھی گھسے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

اسی وقت ڈاکٹر آ پہنچا۔ وہ جیسے کار سے اتر کر دوڑتا آیا تھا، اس کی سانس کچھ پھولی ہوئی تھی۔ اس کی پہلی نظر غزالہ پر پڑی اور دوسری بے ہوش شہزاد پر۔ غزالہ کی نظروں میں اب بھی بے اعتمادی تھی۔ شہزاد کے زخم کو دیکھتے ہی وہ حیرت سے اچھل پڑا۔

''اف، یہ تو بڑا مہلک زہر ہے۔ آہستہ آہستہ پھیل رہا ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔

غزالہ یہ سن کر بوکھلا گئی اور خالہ جان تو ہائے کا نعرہ مار کر ڈھیر ہونے لگیں۔ مگر پیرو مرشد بھی اسی وقت آ پہنچے اور انھیں دلاسا دینے لگے کہ خدا سے دعا کیجیے۔ اس کے رحم و کرم پر بھروسہ رکھیے۔ میاں شہزاد انشاءاللہ بچ جائیں گے۔

''دیکھا آپ نے، حضور۔ اس مجسمے نے تیر چھوڑا ہے شہزاد میاں پر۔'' پیرو مرشد کو بالے کی آواز سنائی دی۔

''اس مجسمے نے؟ لاحول ولاقوۃ۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے، وہ بے جان چیز؟'' پیرو مرشد بڑبڑائے۔

''یہ ضرور کسی آسیب کا ہی حملہ معلوم ہوتا ہے۔ بھلا وہ بے جان مجسمہ کیا کر سکتا تھا۔'' بالے نے دوبارہ اپنا خیال پیش کیا۔

''آسیب...؟'' وہ سب یک زبان ہو کر بولے۔

''تو کیا پھر...؟'' خالہ جان نے سوالیہ نظروں سے پیرو مرشد کی طرف دیکھا اور انھوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اسی لیے تو میں شروع سے بک رہی ہوں کہ ہمیں یہ جگہ چھوڑ دینی چاہیے، مگر میری سنتا کون ہے۔'' شہوار روندھی آواز میں تقریباً چیخ اٹھی۔

''اب تو یہ مکان چھوڑنا ہی پڑے گا، پیرومرشد۔''

''تو کیا آپ لوگ بھی کچھ نہیں کر سکتے؟'' خالہ جان نے مایوسی سے پوچھا۔

''ہم لوگ تو کچھ نہ کچھ کریں گے ہی، لیکن ابھی آپ لوگوں کا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔'' بالے نے جواب دیا۔

ڈاکٹر اتنی دیر میں شہزاد کو ایک انجکشن دے چکا تھا۔ پھر اس نے تیر باہر نکال کر اس جگہ نشتر دیے، کچھ گہرا نیلا خون بھی باہر نکالا اور ڈریسنگ کر دی۔

''ان کے پیٹ سے زہر کھینچنا پڑے گا۔'' وہ سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔

''پیٹ سے؟'' غزالہ نے شبہ آلود انداز میں سوال لیا۔

''میں نے جو انجکشن دیا ہے وہ دوران خون پر زہر کو اثر انداز نہ ہونے دے گا اور رگوں سے اسے واپس فلٹریشن کی نالیوں تک پہنچا کر معدے میں خارج کر دے گا، لیکن اس زہر کو معدے میں بھی زیادہ دیر ٹھہرنے نہیں دیا جا سکتا۔'' ڈاکٹر نے بتایا۔

''آپ جیسا مناسب سمجھیں کیجیے، ڈاکٹر صاحب۔ مگر سر راکبرے خاندان کا روشن چراغ بجھنے نہ پائے۔'' بالے نے ڈاکٹر سے کہا۔

''میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا۔'' ڈاکٹر نے وعدہ کیا۔ پھر اس نے کچھ عجیب سی افسردہ نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا۔ غزالہ کی آنکھوں میں اب بھی اس کے لیے اعتماد و محبت کے تاثرات نہ تھے۔ ڈاکٹر کے ایماء پر شہزاد کو اس کے کمرے میں لے جایا گیا۔ وہ غزالہ سے فون پر خبر پا کر تمام ضروری چیزیں ساتھ لے آیا تھا۔ شہزاد کے پیٹ سے زہر نکالنے کے لیے اس نے سلنگ ٹیوب کی ربڑ کی نالی اس کے حلق میں ڈال کر نرخرے سے پیٹ تک ارنڈی اور گلیسرین اور زہر کش دوا میں ملا ہوا پانی اس کے ذریعے معدے میں اتار کر اسے جب قے کے ذریعے کھینچا تو خالہ جان بھی یہ دیکھ کر چونک پڑیں کہ اندر سے نکلنے والا پانی نیل ہو رہا تھا۔ دوبارہ یہی عمل کرنے کے بعد ڈاکٹر نے اسے ایک اور انجکشن دیا اور الٹا لٹا دیا۔ پھر وہ اسے

چیک کرنے کے بعد اطمینان کی ایک لمبی سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''سر دست یہ خطرے سے باہر ہیں، لیکن زہر کی اگر ذرا سی بھی مقدار کہیں رگوں میں رہ گئی ہوگی تو پھر سے خون کو زہر آلود کر سکتی ہے۔'' اس کا تخاطب غزالہ کی بجائے بالے سے تھا۔ شاید یہ کوئی جذباتی ردِ عمل تھا، جس نے ڈاکٹر کو کم از کم غزالہ کے لیے اس قدر ضرور بدل دیا کہ اب اس نے خود بھی اس کی طرف دیکھنے یا اس سے گفتگو کرنے کی کوشش نہیں کی۔ یہ تغیر بھی ابھی ہوا تھا، جب اس نے غزالہ کے چہرے پر اس کے غیر مطمئن دل کی کیفیتیں پڑھی تھیں۔ وہ یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ اب بھی اس لڑکی کا دل اس کے لیے صاف نہیں ہے۔

''تو پھر کیا کیا جائے؟''

''ان کو ہلنے جلنے بالکل نہ دیا جائے۔ کم از کم ۲۴ گھنٹے ان کی سخت نگہداشت کی ضرورت ہے۔'' ڈاکٹر بولا۔

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی ۲۴ گھنٹے اور یہاں رہنا پڑے گا۔'' بالے بڑبڑایا۔

''کیوں؟'' ڈاکٹر نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔ ''اس میں کوئی حرج ہے کیا؟''

''حرج...؟'' بالے چونکا۔ ''جب اس آسیبی مقام پر بے جان مجسمے آدمیوں کو اٹھا کر اٹھا کر پھینکنے لگے، زہریلے تیر چلانے لگے تو کس کی زندگی کا کتنا بھروسہ۔''

''تو آپ لوگ اس قدر ڈر گئے ہیں؟'' ڈاکٹر کے لبوں پر خفیف سی طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔

''کیوں نہ ڈریں گے؟'' کی جواب غزالہ کا تھا، جس میں بلا کا طنز تھا، جیسے وہ اس تمام گڑبڑ کا سبب اسی کو سمجھ رہی ہو۔ وہ یہ کہتی ہوئی ڈاکٹر کو غصیلی اور نفرت انگیز نظروں سے گھورتی کمرے سے نکل گئی۔

''مجھے اس لڑکی پر رحم آتا ہے۔'' ڈاکٹر کے لہجے میں اب نفرت تھی۔

''ہاں تو ان کے لیے کیا کیا جائے، پھر؟'' بالے نے ڈاکٹر کی توجہ پھر شہزاد کی طرف پھیری۔

''ہوش تو انھیں جلد یا بدیر آ جائے گا، لیکن... لیکن میں سمجھتا ہوں کہ مجھے ہی ۲۴ گھنٹے ان کے قریب رہنا پڑے گا۔ ہر تھوڑی دیر کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہے کہ کہیں ان کے خون میں زہر باقی رہ کر پھیل تو نہیں رہا ہے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''تو آپ یہاں شوق سے رہ سکتے ہیں۔'' بالے نے جواب دیا۔

''آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے گھر کے مالک آپ ہی ہیں۔''

''سر دست آپ مجھے ہی اس گھر کا سپروائزر سمجھ لیجیے۔ یہ لوگ بری طرح ڈرے ہوئے ہیں۔ اپنے طور پر اس وقت وہ کچھ سوچنے سمجھنے کے لائق نہیں ہیں۔''

''خیر، میں تھوڑی دیر کے بعد پھر آؤں گا۔ ابھی مجھے ایک مریض کو دیکھنا ہے۔'' ڈاکٹر نے یہ کہہ کر اجازت چاہی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

پیر و مرشد اب تک خاموش تھے، ڈاکٹر کے جانے کے بعد وہ شہزاد کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ کمرے میں صرف شہوار اور تھی۔ خالہ جان باہر جا چکی تھیں۔ پیر صاحب کچھ پڑھ پڑھ کر شہزاد پر پھونکتے جاتے اور دعا مانگتے جاتے اور شہوار بے چینی سے بار بار شہزاد کی صورت دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

نئی رپورٹ

ڈاکٹر جا چکا تھا۔اس کی کار کے باہر جانے کے بعد دربان دروازہ خود بند کر کے اپنی چوکی میں چلا گیا اور بالے پورٹیکو سے واپس لوٹ آیا۔ابھی وہ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ پیچھے سے مانی آ پہنچا۔

''صاحب، آپ کے کوئی رشتے دار ملنے آئے ہیں۔''اس نے بالے کو خبر دی۔

''میرے...؟''وہ سوچ میں پڑ گیا۔''کہاں ہیں؟''اس نے پوچھا۔

''میں نے برآمدے میں بٹھایا ہے۔اپنا نام رحیم خاں رامپور والے بتاتے ہیں۔''

''رحیم خاں۔''بالے نے چند سیکنڈ سوچا۔''اوہ ہاں، وہ میرے سسرالی ہیں۔آپ بھیج دیجیے انھیں۔''

چناں چہ مانی کے باہر جانے پر ایک منٹ طبعد جوا کہرے بدن کا مونچھوں داڑھی والا اجنبی اندر داخل ہوا، اسے بالے کی نظروں نے فوراً پہچان لیا۔وہ ابراہیم تھا۔اس میک اپ میں دوسرے تو اسے بہت مشکل سے پہچان سکتے، مگر اس کا انداز رفتار اور اس کی مسکراہٹ بالے کے لیے نئی نہ تھی۔

''آؤ بھئی، رحیم خاں۔کیا حال ہیں؟''بالے نے صوفے سے اٹھ کر اس کا خیر مقدم کیا۔

''حال کیا ہیں، آپ یہاں ٹھاٹھ سے مزے اڑا رہے ہیں اور وہاں ساری جائداد چوپٹ ہوئی جا رہی ہے۔''رحیم خاں نے فکرمند لہجے میں کہا۔

''بات اصل یہ ہے کہ۔''بالے نے اپنا لہجہ رازدارانہ بنا لیا۔''سر اکبر کا خاندان موٹی مرغیوں پر مشتمل ہے۔اپنا اور بیرجی کا دھندا ادھرا چھا چل رہا ہے۔بس چار پانچ ہزار بھی

مل گئے تو پھر کون ٹھہرتا ہے یہاں۔''

بالے نے سرگوشی کا ایسا لہجہ اختیار کیا جسے کھڑکی یا دروازے کے باہر تک سنا جا سکے۔ یہ کہتا ہوا بالے کمرے میں جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ ساتھ ہی اس نے جب چور نظروں سے کھڑکی کی طرف دیکھا تو باہر کھڑے ہوئے کسی آدمی کا خفیف سا سایہ اس کے شیشوں پر پڑ رہا تھا اور ان لوگوں کی اس طرف پشت تھی۔

پھر بالے نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیا

''اب بتاؤ، کیا بات ہے؟'' بالے نے اس سے پوچھا۔

''کیا کوئی ہماری باتیں سن رہا تھا وہاں؟'' ابراہیم نے پوچھا۔

''ہاں، اور اسی کو سنانے کے لیے اس قسم کی باتیں ضروری تھیں۔ خیر، بولو کیا رپورٹ ہے؟''

''میں خان صاحب کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ یہ لیجیے لڑکے کی تصویر۔ خان صاحب کو جو رپورٹ ملی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ شنکر گڑھ کے پٹیل کو قتل کر کے وہ خطوط اڑا لیے گئے تھے جو سرا کبرا سے بھیجا کرتے تھے۔ شنکر گڑھ کے ایک بوڑھے پوسٹ مین سے جو اسی علاقے میں کئی سال ڈیوٹی دے چکا تھا، ان خطوط اور ان منی آرڈرز کی تصدیق ہو گئی ہے جو سرا کبر، پٹیل کو بھیجا کرتے تھے۔ خان صاحب کا خیال ہے کہ سرا کبر جو رقمیں بھیجتے تھے، پٹیل خود ہضم کر لیتا ہو گا، کیوں کہ سرا کبر کی اس غریب بیوی، جس کا نام صفیہ بتایا گیا ہے، فاقوں سے تنگ آ کر ہی اپنے ۱۴ سالہ لڑکے کے ساتھ شنکر گڑھ چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ بعد کی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ بلاسپور پہنچ کر اس عورت نے ایک فلم پروڈیوسر کے یہاں ملازمت کر لی تھی اور اس پروڈیوسر نے ہی اس لڑکے کو پڑھا لکھا کر فوج میں بھرتی کروا دیا تھا۔''

''تو وہ لڑکا کہاں ہے اب؟''

''یہی تو معلوم کرنا ہے۔ وہ آٹھ نو مہینے سے غائب ہے۔ آرمی میں وہ سیکنڈ لفٹنٹ

کے عہدے تک پہنچ گیا تھا، یہ اسی کا فوٹو ہے، جو ملٹری پولیس سے حاصل کیا گیا ہے۔''

اس بیان کو سن کر بالے اس فوٹو کو غور سے دیکھنے لگا۔ یہ ایک خوب صورت سے نوجوان آدمی کی تصویر تھی جس کے بشرے پر ذہانت اور تدبر کے آثار نمایاں تھے۔

''اور کچھ؟'' اس نے ابراہیم سے پوچھا۔

''انھوں نے کہا ہے کہ بالے صاحب خود سمجھ دار آدمی ہیں، وہ لڑکا اس وقت کہاں ہوسکتا ہے، یہ وہ سمجھ سکتے ہیں۔'' ابراہیم مسکرایا۔

''بیٹے بالشتیے، ذرا ہوش کی دوا کرو۔''

''انھوں نے ہی کہا تھا۔''

''تو پٹیل کے قاتل کا کیا پتا چلا؟''

''یہ تو بتانا ہی بھول گیا۔ اس کی تجوری کے دستے پر وہاں پولیس نے جو نشانات پائے تھے ان کے پرنٹ لے کر رکھ لیے تھے۔ انھیں ریکارڈ سے نکلوا کر جب سیکنڈ لفٹنٹ جواد سروش کے فنگر پرنٹس سے ملایا گیا تو وہ ایک تھے، فرق صرف ہی تھا کہ ذرا بڑے۔''

''لفٹنٹ جواد، یعنی وہی۔'' بالے بڑبڑایا۔ ''مگر ملٹری پولیس کو اس کے فنگر پرنٹس کیسے ملے؟''

''آئی اے ایف زیڈ کے بانڈ پر دستخط کرنے والے فوجی افسروں کے فنگر پرنٹس بھی لے کر رکھے جاتے ہیں تاکہ فیلڈ سروس پر اگر وہ کہیں بھاگنا چاہیں تو مختلف طریقوں سے ان کا سراغ لگایا جاسکے۔''

''اوہ... تو پھر...'' لیکن کچھ کہتے کہتے وہ رک گیا۔ ''خیر تم اب جاسکتے ہو۔'' بالے نے اسے دروازے تک آخر رخصت کردیا۔ وہ اس وقت دراصل اس دربان کو دیکھنے آیا تھا۔ دربان اپنی چوکی میں موجود تھا۔ وہ ترچھی نظروں سے اسے دیکھتا ہوا لوٹ آیا۔

.....

''مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔'' بالے نے غزالہ کو برآمدے میں روکتے ہوئے کہا۔

''فرمایئے۔'' وہ چلتے چلتے ٹھہر گئی۔

''شہزادصاحب پھر تو ابھی کم از کم ۲۴ گھنٹے تک کسی دوسرے حملے کا خطرہ نہیں، کیوں کہ حملہ کرنے والا اپنے پہلے حملے کے نتائج کا انتظار کرے گا۔ لیکن اب آپ کے لیے خطر ہے۔''

''میرے لیے؟'' غزالہ نے چونک کر پوچھا۔ ''کیوں؟''

''آپ بہت بھولی ہیں۔ کیا آپ اتنا بھی نہیں سمجھ سکتیں کہ سراکبر کے بعد جو طاقت شہزادصاحب کی دشمن ہوسکتی ہے وہ آپ کو کیوں چھوڑے گی۔'' بالے نے سمجھایا۔ وہ بڑے محتاط انداز میں اس سے گفتگو کر رہا تھا۔ اس کے کان ہر آہٹ پر لگے ہوئے تھے۔

''لیکن آپ نے تو خود ڈاکٹر کو روکا ہے یہاں؟''

''اوہو...، آپ اس غریب پر کیوں اس قدر شک کر رہی ہیں؟''

''آپ کے سپرنٹنڈنٹ صاحب نے ہی تو اس دن شبہ کیا تھا اس پر۔''

''ہم لوگوں کی باتیں صرف ہمارے ہی لیے ہوتی ہیں۔ آپ ان کا مطلب نہیں سمجھ سکتیں۔''

''تو کیا وہ جھوٹ ہے؟''

''میں اس وقت اس سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ مگر یہ رات آپ لوگوں کو بڑی خاموشی کے ساتھ مالی کی کوٹھری میں گزارنی ہوگی۔''

''مالی کی کوٹھری میں...؟ کس کے ساتھ...؟''

''صرف آپ، ڈاکٹر رشید اور شہزادصاحب۔''

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، بھلا ڈاکٹر...؟''

''دیکھیے، آپ تو فضول اس شریف آدمی کی دشمن ہوگئی ہیں۔ وہ کس قدر خلوص اور

محنت سے آپ کے بھائی کو بچانے کی کوشش کر رہا ہے اور آپ اس سے اس قسم کا برتاؤ...؟''

''مم...میں بھول گئی تھی، لیکن اس سے کیا ہوگا؟''

''اس سے جو کچھ ہوگا وہ آپ مجھ پر چھوڑ دیے، لیکن آپ اس کمرے سے کسی صورت صبح تک باہر نہ نکلیں گی، نہ کسی کو یہ معلوم ہو کہ آپ وہاں موجود ہیں۔'' بالے نے کہا۔

''میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟''

''صرف آپ کی جان بچانا چاہتا ہوں، حالاں کہ ہو سکتا ہے کہ اس کے لیے خود میری اپنی جان خطرے میں پڑ جائے۔'' بالے نے کہا۔

''میرے لیے آپ اپنی جان خطرے میں ڈال رہے ہیں؟'' غزالہ نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

''جی نہیں، یہ بے وقوفی صرف بابا آدم سے ہی سرزد ہوئی تھی، میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ اپنے فرض کے لیے۔''

''آپ برا مان گئے شاید۔ ویسے مجھے اب کیا کرنا ہوگا؟''

''آپ اپنے سونے کے وقت پر سب کے سامنے اپنے کمرے میں جائیں گی۔ اس کے بعد خود معلوم ہو جائے گا۔'' بالے نے خالہ جان کو آتے دیکھ کر سلسلہ کلام منقطع کر دیا۔

''ہائے بیٹے، اب کیا ہوگا؟'' خالہ جان نے غزالہ کو دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

''کل سب کا بوریا بستر گول ہو جائے گا۔'' بالے نے کہا۔ مگر خالہ جان کی عقیدت اب مجروح ہو چکی تھی۔ وہ بالے کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔ اور بالے اپنی مسکراہٹ دبائے وہاں سے کھسک گیا۔

''مجھے تو یہ پیر و مرید ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ کم بخت جعلی معلوم ہوتے ہیں۔'' خالہ جان نے دور تک اسے جاتے دیکھ کر نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

''ہاں، خالہ جان، مجھے بھی ان لوگوں پر شک ہے۔'' غزالہ نے ان کی تائید کر دی۔

Akram Allahabadi

''اللہ کرے آج کی رات خیریت سے گزر جائے تو میں تو پیغمبر صاحب کا فاتحہ دلاؤں اور سب کو لے کر یہاں سے ٹلوں۔'' خالہ جان نے کسی خیال سے جھرجھری لے کر کہا۔

''بس بھائی جان کی طبیعت سنبھلنے کا انتظار ہے۔'' غزالہ نے جواب دیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

آسیب

ایک کھٹکا سا ہوا اور پھر سناٹا چھا گیا۔آج کی رات بھی اس موسم کی گزشتہ راتوں کی طرح تاریک تھی۔پورا دارالا کبر سو رہا تھا۔

غزالہ کے کمرے میں اس کا بوڑھا ملازم کریم فرش پر سو رہا تھا اور غزالہ کے بستر پر کوئی اونی شال تانے لیٹا تھا کہ اچانک رات کے بھیانک سناٹے کو چیرتی ہوئی وہی خوف ناک آواز کمرے میں گونجی۔''تم مرجاؤ گی۔''

مگر سونے والوں کی نیند اتنی گہری تھی کہ ان میں سے کوئی کلبلایا تک نہیں۔اس کے چند لمحے بعد ہی بائیں جانب کی کھڑکی کے باہر اندھیرے میں ایک سفید سا سایہ ابھرا اور اسی وقت غزالہ کے بستر پر سونے والا اپنی شال کا کونہ بہت ذرا سا کھسکا کر دیکھنے لگا۔کھڑکی کے شیشوں سے چھن کر باہر پڑنے والی روشنی میں ایک لہراتا ہوا سفید انسانی خاکہ ابھرا اور ایک خوف ناک مردہ سی شکل شیشوں سے اندر جھانکنے لگی۔''تم مرجاؤ گی۔''پھر وہی آواز سرگوشی کرتی ہوئی کمرے میں سنائی دی۔لیکن سونے والوں میں سے اب بھی کوئی نہ چونکا۔دارالا کبر کے تمام کمروں کی کھڑکیوں کے اوپر ہوا داری کے چوکور خانے بنے ہوئے تھے تاکہ کھڑکیاں بند کر دینے کی صورت میں ان سے ہوا آسکے۔وہ آواز تیسری بار پھر سنائی دی اور جب اس بار بھی سونے والوں میں سے کوئی نہیں اٹھا تو وہ سفید سایہ وہاں سے غائب ہوگیا۔اس کے چند سیکنڈ بعد ہی ایک سفید سا ہاتھ اوپر کی ہوا داری سے باہر نکلا اس میں ایک لوہے کی سلاخ لٹک رہی تھی۔اس ہاتھ نے اس سلاخ کو کھڑکی کی سٹکنی میں لٹکا کر اسے گھماتے ہوئے جب نیچے کی طرف دھکیلا تو سٹکنی کھل گئی۔اس عمل کے بعد وہ سلاخ اور وہ ہاتھ دونوں اوپر اٹھ کر غائب ہو گئے اور بند کھڑکی کھل گئی۔ساتھ ہی ایک سیاہ انسانی سایہ کھڑکی راستے اندر داخل ہوا۔وہ ایک

ہاتھ میں ایک باریک سی شیشے کی نلکی تھامے ہوئے تھا اور اس کے دوسرے ہاتھ میں ایک سفید رومال تھا۔ دبے قدموں وہ پہلے سوئے ہوئے خادم کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ اس کے سرہانے پہنچ کر رک گیا، پھر اس نے چٹکی سے اس کے سر سے کمبل سرکا کر دوسرے ہاتھ سے وہ رومال ان کی ناک پر رکھ دیا۔ چند سیکنڈ وہ اسے اسی طرح رکھے رکھا اور اسے اٹھا کر جیب میں ڈالتے ہوئے اس نے ایک پن نکال کر جب بوڑھے نوکر کو چبھویا تو اس نے سسکی تک نہ بھری۔ کمبل دوبارہ اس کے منہ پر ڈال کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے شیشے کی نالی مضبوطی سے تھام رکھی تھی۔ جیب سے اس نے ایک چھوٹی سی ربڑ کی تھیلی نکالی اور اس کا منہ کھولتے ہی تیزی سے اس نے شیشے کی نال سے لگا دیا۔ شیشے کی نال کے اگلے سرے باریک اور گھومے ہوئے تھے۔ پھر اس نے جیسے ہی اس تھیلی کو دبایا ایک سفید سا دھواں تھیلی سے نکل کر شیشے کی نلی میں پھیل گیا۔ وہ آہستہ آہستہ اس نلی کو غزالہ کے بستر پر سونے والے کے سرہانے لے آیا۔ جیب سے کلورافارم کا رومال اس نے پھر نکالا اور اسی ہاتھ سے سونے والی کی شال کا اگلا سرا آہستہ آہستہ کھینچنے لگا۔

اچانک جیسے کسی بچھو نے اسے ڈنک مار دیا ہو۔ وہ پلنگ سے اچھل کر فرش پر آ گرا اس کے ساتھ ہی غزالہ کی جگہ پلنگ پر سونے والا سارجنٹ بالے اپنی جگہ اچھلا اور اس کے اوپر آ رہا۔ مگر وہ بھی نہ جانے کس قدر پھرتیلا تھا کہ بجلی جیسی تیزی سے اس نے پلٹا کھایا اور بالے کی گرفت سے صاف نکل گیا۔ لیکن ٹھیک اسی وقت کمرے میں 'چی خپ' کی ایک آواز گونجی اور مسہری کے نیچے سے بالے کا ٹرخانی نکل کر اس سیاہ سائے پر جھپٹ پڑا۔ اس نے اتنی اونچی چھلانگ لگائی کہ سیدھا اس کے کندھے پر پہنچ گیا اور اس کے سر کے بال نوچنے لگا۔ وہ سیاہ سایہ جس نے اپنا چہرہ بھی ایک سیاہ رومال میں لپیٹ رکھا تھا، گھبرا سا گیا۔ شاید وہ اس عجیب قسم کی آفت کے لیے تیار نہ تھا۔ اس نے وہی شیشے کی نلکی والا ہاتھ اونچا کر کے بندر کے بچے کو تھامنا چاہا۔ مگر ٹرخانی نے اس کے ہاتھ میں اس زور سے کاٹا کہ نلکی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پلنگ پر جا گری۔ ٹرخانی کی وجہ سے بالے اس پر اب تک گولی نہیں چلا سکا تھا۔ وہ اس نلکی کو اپنے ساتھ

نہیں لے جا سکا۔ بالے جب تک ریوالور سے نشانہ لے اس نے کسی لنگور کی طرح جست کی اور کھڑکی سے تیر کی طرح باہر نکل گیا۔ بلے نے بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ وہ اپنا ریوالور تھامے ہوئے کھڑکی سے باہر کود گیا لیکن نیچے اس کا پیر جس چیز پر پڑا، وہ ایک مردے کی کھوپڑی تھی، جس کے نیچے کی سمت سفید کپڑے کا ایک انسانی جسم کا خاکہ سی کر لٹکا دیا گیا تھا۔ اس کھوپڑی کے ساتھ ہی ایک لکڑی پیوست تھی۔ یہ بالکل اسی طرح تھا جیسے کھیتوں میں کسان چڑیوں کو ہکانے لے لیے بانس کے پتلے کھڑے کر دیتے ہیں۔ کوئی یقیناً اسے لکڑی سے تھام کر اس کھڑکی کے سامنے کر دیتا ہوگا اور اندر سے پڑنے والے روشنی کے عکس میں وہ کھوپڑی اور اس کا لہراتا ہوا بدن کسی مردے کی خوف ناک روح نظر آتا ہوگا۔ اسے اس وقت اسے اپنی حماقت یاد آ گئی، وہ دوڑتے وقت اپنی ٹارچ ساتھ نہیں لایا تھا۔ پھر اس نے اپنے کان کسی کے دوڑتے قدموں کی آہٹ پر لگا دیے، مگر بے سود۔ وہ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کس طرف جائے، کہ ایک فائر ہوا اور گولی سنسناتی ہوئی اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی، کھڑکی کی چھت پر پڑی۔ وہ وہیں زمین پر لیٹ گیا اور اس نے اندازے پر اسی سمت فائر کر دیا جدھر سے گولی چلائی گئی تھی۔

اچانک پھر اسے ٹرخانی کی آواز سنائی دی، وہ جنگلی بندروں کے انداز میں اچھل اچھل کر چخا چخ چخا چخ کی آوازیں نکال رہا تھا۔ یہ تمام تر ٹریننگ بالے نے ہی اسے دے رکھی تھی کہ خطرے کے وقت کس طرح سگنل دے۔ رات کے وقت کس طرح خاموشی سے آرام کرے۔ لڑائی کے وقت دشمن سے کیا سلوک کرے۔ ٹرخانی کا اشارہ چھت کی طرف تھا۔ بالے نے تیزی سے گھوم کر جب اوپر دیکھا تو اوپر سرا کبر کی آرام گاہ میں روشنی ہو رہی تھی اور کوئی اس کی کھڑکی کھول کر نیچے جھانک رہا تھا۔ بالے اگر اس وقت دیوار سے بالکل چپک نہ جاتا تو اوپر سے چلائی جانے والی گولی اس کے بھیجے میں سوراخ کر چکی ہوتی، مگر اسی وقت اوپر ایک اور رائفل کی آواز سنائی دی۔ یہ اوپر ہی کے کمرے سے گونجی تھی اور اس کے ساتھ ہی اسے رؤف کی بھاری گرجتی آواز سنائی۔

''بالے صاحب، میں نے اس سالے کو قبضے میں کرلیا ہے، ادھر کی فکر نہ کرنا۔''
سامنے کی فائرنگ بھی بند ہوگئی تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ گولی چلانے والا اندھیرے میں یا تو کہیں چھپ گیا ہے یا بھاگ گیا ہے۔

فائرنگ کی آوازوں نے کوٹھی کے تمام سوئے ہوؤں کو اٹھا دیا۔ وہ اٹی ٹارچیں اور روشنیاں لے کر نکل آئے۔ یہ کوٹھی کے ملازم تھے مگر ان میں مانی کا پتا نہیں تھا۔ بالے نے ان میں سے ایک آدمی کے ہاتھ سے ٹارچ چھین لی اور دربان کی چوکی کی طرف دوڑا۔ نوکر بھی اس کے پیچھے بھاگنے لگے۔ مگر جب وہ چوکی کے نزدیک پہنچا تو یہاں دربان اسے چوکی میں سوتا نظر آیا۔ چوکی میں روشنی ہو رہی تھی۔ بالے نے جب اسے جھنجوڑ کر اٹھایا تو وہ بوکھلا سا گیا۔

''تم کیا گدھے بیچ کر سوتے ہو، یہاں کیا کچھ ہوگیا اور تمہیں خبر تک نہیں؟''

''صاحب، آج میری طبیعت خراب تھی، اس لیے سوگیا تھا۔'' دربان نے معافی چاہی۔ بالے کو اس کے الفاظ پر یقین نہیں آیا۔ اس نے اس بہانے کہ کوئی ابھی ادھر بھاگ کر آیا ہے، پوری چوکی کی تلاشی لے ڈالی، لیکن مفید مطلب کوئی بات نہ نکلی۔ دربان کی کیفیت ظاہر کر رہی تھی کہ وہ سو کر ہی اٹھا ہے۔ اس وقت اس کی گفتگو میں بھی تصنع کی جھلک نہیں تھی۔ بالے کی کھوپڑی گھوم گئی۔ پھر آخر وہ کون تھا؟ کم از کم اس آسیب کا تو بھانڈا پھوٹ چکا تھا۔ محض ایک بانس پر لٹکائی گئی مردے کی کھوپڑی اور ایک سفید ڈھیلا چوغہ نما کپڑا۔ لیکن وہ موت کی آواز اور وہ ننگی۔ اس کا خیال آتے ہی وہ پلٹ کر کوٹھی کی طرف دوڑا۔ جب وہ ہال میں داخل ہوا تو رؤف، مانی کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈالے کھڑا تھا۔

''اوپر سے اسی نے گولی چلائی تھی۔'' رؤف نے کہا۔

''اس پر تو ہمیں پہلے ہی سے شک تھا، لیکن یہ وہ بدروح نہیں ہے جس نے مجھے غزالہ سمجھ کر ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''اگر آپ لوگ پولیس آفیسرز ہیں تو بخدا آپ مجھے غلط سمجھ رہے ہیں۔'' مانی نے

التجا انگیز لہجے میں کہا۔

''واہ بیٹا، ہم پر گولی بھی چلا ؤ اور پھر ہمیں غلط بھی سمجھ رہے ہیں۔'' بالے ن بگڑے ہوئے موڈ میں اس کے منہ پر ایک طمانچہ جڑ دیا۔

''آپ لوگ چاہیں تو مجھے مار ڈالیں، مگر میں سچ کہہ رہا ہوں۔''

''تو پھر اوپر کی اجھک مار رہے تھے اور تم نے وہاں سے گولی کیوں چلائی تھی؟''

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں آپ لوگوں پر گولی چلا رہا ہوں۔ میں تو سمجھا تھا کہ کوئی سرا کبر کے خاندان کا دشمن..''

''اور اوپر کیسے پہنچے تھے تم؟'' بالے نے بات کاٹ کر پوچھا۔

''میں نے ایک سایہ سا اوپر آتے دیکھ کر اس کا پیچھا کیا تھا۔ وہ سایہ اسی کمرے میں داخل ہوا تھا، لیکن جب میں وہاں پہنچا تو کوئی بہت تیزی سے کمرے سے نکل کر بھاگا، اس وقت میں نے صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ یہاں کیوں آیا تھا، کمرے کی روشنی جلا دی، دیکھا تو تصویر کے پیچھے والی سرا کبر کی خفیہ تجوری کھلی ہوئی تھی۔''

''تمہیں کیسے معلوم کہ وہاں سرا کبر کی خفیہ تجوری تھی؟''

''وہ کھلی جو ہوئی تھی.. اور سرا کبر کی خواب گاہ میں ان کے سوا اور کس کی تجوری ہو سکتی ہے۔ میں نے گولی بھی یہی سمجھ کر چلائی تھی کہ شاید وہی سایہ نیچے پہنچ گیا ہے۔''

''خیر، اگر تم بے گناہ ہو تو تمہارا کچھ نہ بگڑے گا۔ ویسے ہمارا شک رفع ہونے تک تم حراست میں رہو گے۔'' بالے نے کہا۔

''خیر، اگر تم بے گناہ ہو تو تمہارا کچھ نہ بگڑے گا۔ ویسے ہمارا شک رفع ہونے تک تم حراست میں رہو گے۔'' بالے نے کہا۔

''میں تو سمجھا تھا کہ آزاد رہ کر میں بھی کچھ آپ لوگوں کی مدد کر سکوں گا۔''

''اس کی ضرورت نہیں، رؤف بھائی، انھیں ابھی اسی طرح کسی کمرے میں بند

کردو۔'' بالے نے کہا۔

''چلو، بیٹے۔'' رؤف نے اسے کسی گلّے کی بھیڑ کی طرح ہکایا۔اور وہ سر جھکائے چپ چاپ ساتھ ہولیا۔

بالے انھیں چھوڑ کر جب قدرتنگ روم میں داخل ہوا تو یہاں کوئی نہ تھا۔پھر اس نے شہوار کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

'کک...کون ہے۔' اندر سے خالہ جان کی کانپتی آواز سنائی دی۔

''میں ہوں، پولیس سارجنٹ۔'' بالے نے باہر سے جواب دیا۔

''پو... پولیس... یا اللہ تیرا شکر ہے، تیرا ہزار شکر ہے۔'' یہ کہتی ہوئی خالہ جان دروازے کی طرف دوڑیں اور جلدی سے انھوں نے دروازہ کھول دیا۔مگر آلو بخارا کو سامنے کھڑا دیکھ کر ان کی خوشی کافور ہوگئی۔

''تم...تم لوگوں کی ہی وجہ سے تو ہم لوگوں کو یہاں ٹھہرنا پڑا، نہ ٹھہرتے نہ یہ دن دیکھنے پڑتے۔' انھوں نے جلے ہوئے لہجے میں کہا۔

''آخر ہوا کیا؟''

''ہوا ہمارا سر۔کوئی کہہ رہا تھا کہ تم مرجاؤ گی۔وہی آواز جو...اللہ نہ کرے...وہی آواز جو سراکبر مرحوم کو سنائی دی تھی۔یا اللہ بچانا...وہی آواز...'' خالہ جان کانپتی جارہی تھیں۔

بالے کی کھوپڑی ایک بار پھر چکرا گئی۔کہیں واقعی یہ سب کچھ آسیب ہی تو نہ تھا۔مگر وہ سایہ...؟ وہ نقلی مردہ؟ اور فائرنگ؟''

اچانک اسے اس شیشے کی نلکی اور اپنے ٹرخانی کا خیال آگیا۔

''میں ابھی آیا۔'' یہ کہتا ہوا وہ کمرے سے نکل کر شہزاد کے کمرے کی طرف دوڑا۔ یہاں بوڑھا کریم ابھی تک بے ہوش پڑا ہوا تھا۔اور وہ نلکی...وہ غائب تھی اور ٹرخانی کا بھی پتا نہ تھا۔

Akram Allahabadi

''یا خدا! یہ کون سا چکر ہے آخر؟''

پھر آپ سے آپ اس کے قدم تیزی سے دوڑنے لگے۔ وہ مالی کی کوٹھری کی طرف جا رہا تھا۔

دروازے پر دستک سنتے ہی ڈاکٹر نے دروازہ کھول دیا۔ بالے کو دیکھ کر وہ پیچھے ہٹ گیا۔

''یہاں تو کوئی نہیں آیا ہے؟'' بالے نے پوچھا۔

''نہیں تو۔'' ڈاکٹر بولا۔ بالے نے جھانک کر دیکھا۔ غزالہ بھائی کے سرہانے بیٹھی تھی اور شہزاد کو ہوش آ چکا تھا۔ وہ اندر نہیں داخل ہوا بلکہ ڈاکٹر کو محتاط رہنے کی ہدایت کر کے وہ واپس لوٹ آیا اور ایک نوکر سے ٹارچ لے کر سیدھا اوپر کے کمرے میں پہنچ گیا۔ سر اکبر کی خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر روشنی ہو رہی تھی۔ اس نے دیکھا رؤف یہاں موجود تھا۔

''تم کیا ڈھونڈ رہے ہو؟''

''ابھی ابھی شہوار نے بتایا ہے کہ شہزاد نے وصیت نامہ اور وہ کاغذات پھر یہیں رکھ دیے تھے، مگر وہ یہاں نہیں ہیں۔''

''تو کیا وہ ان کے لیے آیا تھا یہاں؟''

''مگر مانی کی تلاشی میں نے لی ہے، اس کے پاس کچھ نہیں تھا، سوائے سر اکبر کے لائسنس والے پستول کے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ آخر وہ سوٹ کیس اور وہ خطوط تو مانی کے ہی کمرے سے نکلے تھے۔''

''وہ قسمیں کھا رہا ہے کہ وہ سوٹ کیس اس کا نہیں، اور نہ ہی وہ ان خطوط کے بارے میں کچھ جانتا ہے۔''

''اس ٹائی پن پر 'جالیس' کا مونوگرام تھا نا؟'' بالے نے رؤف سے پوچھا۔

''ہاں، وہ میرے پاس ہے۔''

''تو پھر معاملہ صاف ہے۔ وہ نائی سراکبر مرحم کے اس نامعلوم لڑکے جواد سروش کے سوا کسی کی نہیں ہوسکتی۔''

''تو کیا مانی... مانی کو کسی نے پھانسنے کی کوشش کی ہے؟''

''ہوسکتا ہے کہ ہماری توجہ مانی کی طرف پھیر کر وہ اپنا کام کر کے نکل جانا چاہتا ہو۔''

''لیکن اس طرح تو وہ اپنی ولدیت کے ثبوت ہمارے پاس چھوڑ کر اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی مارے گا۔ نہیں، ایسا نہیں ہوسکتا۔'' رؤف نے سر ہلایا

''عجیب پیچیدہ مسئلہ ہے۔'' بالے سوچ میں پڑ گیا۔

''یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ یہیں پر موجود لوگوں میں سے کوئی اور ہو اور اپنے اوپر شک ہوجانے کے ڈر سے اس نے وہ سوٹ کیس مانی کے کمرے میں چھپا دیا ہو۔'' رؤف نے رائے دی۔

''پھر وہی خطوط کا سوال آتا ہے۔''

''مگر وہ مانی کے کمرے میں میز کے نیچے اندر کی طرف اس طرح رکھا گیا تھا کہ اس پر مانی کی نظر بھی کبھی نہ پڑتی اور اگر صفائی کرنے والے نوکر کی نظر پڑتی بھی تو وہ اسے مانی کی ہی چیز سمجھ کر ہاتھ نہ لگاتا۔'' رؤف نے بتایا۔

''میرے خیال میں خان صاحب کو خبر کرنی پڑے گی۔ مگر ٹھہرو... یہ کیا ہے؟'' بالے اس تصویر کے نیچے ایک چوڑی کا ٹکڑا پڑا دیکھ کر چونک پڑا۔

''کیا یہاں کوئی لڑکی بھی آسکتی ہے؟'' وہ بڑبڑایا۔ اور اس کی تیز نظریں اردگرد کے فرش پر چوڑی کے مزید ٹکڑے ڈھونڈنے لگیں۔ چوڑی شیشے کی اور سرخ وسنہری تھی۔ پھر اس نے پورٹریٹ کے نیچے کے خلاء کو دیکھا، یہاں کسی کی پھسلتی انگلیوں سے پانچ لکیریں بن گئی تھیں اور سرے پر خون کا ایک خفیف سا دھبہ۔

Akram Allahabadi

''وہ ضرور کوئی پستہ قد لڑکی یا عورت رہی ہوگی جو یقیناً اس تپائی پر پیر رکھ کر پورٹریٹ تک پہنچی ہوگی اور پھسل جانے پر اس کی چوڑی ٹوٹ کر ضرور اس کی کلائی میں لگی ہوگی ورنہ یہ خون کا دھبہ۔'' بالے بڑبڑاتا ہوا پلٹا۔ ''چلو نیچے چلیں۔''

نیچے آکر بالے نے سب کو ڈرائنگ روم میں جمع کرلیا۔ خالہ جان، شہوار، مانی اور گھر کے تمام نوکر۔ اس نے رؤف کو غزالہ اور شہزاد کی حفاظت کے لیے مالی کی کوٹھری کی طرف بھیج دیا لیکن غزالہ کی ملازمہ سلیمہ ان میں نہ تھی۔

''سلیمہ کہاں ہے؟'' بالے نے شہوار سے پوچھا۔

''مجھے معلوم نہیں۔'' وہ مختصراً بولی۔

''آج اس کی طبیعت خراب تھی، اپنے کمرے میں ہوگی۔ رات کا کھانا بھی وہیں کھایا ہے۔'' باورچی نے بتایا۔

بالے کے اشارے پر اس نوکر نے بالے کی رہنمائی سلیمہ کے کمرے تک کی۔ دستک دینے پر دروازہ اندر سے کھول دیا گیا۔

سلیمہ اندر بستر پر موجود تھی۔ اس نے سر میں رومال باندھ رکھا تھا اور اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ بالے کے قدموں کی آہٹ سن کر اٹھ بیٹھی۔ باورچی پیچھے کھڑا تھا۔

''کیا بات ہے سلیمہ؟''

''سس... سر میں بہت درد ہے۔'' وہ زور سے کراہ کر بولی۔

''اوہ... بخار تو نہیں کہیں؟ لاؤ نبض تو دیکھوں۔'' بالے نے یہ کہہ کر اس کا کمبل الٹتے ہوئے اس کے ایک ہاتھ کی کلائی تھام لی۔ اس پر ایک پٹی بندھی ہوئی تھی۔

''خبردار جو مجھے ہاتھ لگایا۔'' یہ کہتے ہوئے سلیمہ کا دوسرا ہاتھ کمبل سے باہر نکل آیا۔ بالے نے دیکھا اس میں ایک ریوالور تھا جس کا نشانہ بالے کے سر کی طرف تھا۔

''شاید بہت تیز بخار ہے۔ خیر، نہیں دیکھتا۔'' یہ کہتا ہوا بالے پیچھے ہٹا، مگر دوسرے

ہی لمحے اس نے اتنی پھرتی سے کمبل کا سرا تھام کر اس کے پستول والے ہاتھ پر پھینکا کہ وہ ٹرائیگر بھی نہیں دبا سکی۔اور جب ٹرائیگر دبا تو اس کی گولی کمبل پھاڑ کر چھت پر لگی۔اس کے فوراً بعد ہی وہ بالے کی گرفت میں تھی۔اسی بستر پر سرہانے تکیے کے نیچے بالے کو ایک چھوٹا سا بکس بھی مل گیا جس میں ربڑ کی ایک تھیلی اور شیشے کی وہی نلکی رکھی ہوئی تھی جس کے دو باریک سرے تھے۔اسی ڈبے میں ایک سنہری سرخ چوڑی کے ٹکڑے بھی تھے۔تھیلی پر بہت باریک سے انگریزی حروف میں لکھا تھا،'سائنیٹرنگ گیس'۔"

ہم...تو نلکی کے ذریعے اس گیس کو دوسروں کی ناکوں سے پھونک کر ان کی جان لی جاتی تھی۔"وہ بڑبڑایا۔"اور اگر میں اسی سے تمہاری حرکت قلب بند کر دوں تو...؟"وہ اسے غصے سے گھور کر بولا۔مگر سلیمہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

☆☆☆☆☆☆

"اور یہ تمہاری سرخ وسنہری چوڑیاں اتنی خوبصورت نہ ہوتیں تو شاید تم بچ جاتیں۔"

وہ پھر طنز بھرے انداز میں بولا۔

"مم...میں...نہیں سمجھی..تم کون ہو؟"

"میں بدروحوں کا جدِ امجد ہوں، بے وقوف لڑکی۔وہ کہاں ہے؟"

"کون کہاں ہے؟"سلیمہ نے بے باکی سے پوچھا۔

"وہی،تمہارا بیٹا،جواد۔"

"کون جواد؟ میں کسی جواد کو نہیں جانتی۔"

"مگر میں جانتا ہوں...اور تمہارے اس کھردرے چہرے سے اگر میں میک اپ کا نقاب بھی اتار دوں تو...؟"

"تت...تم کون ہو؟"وہ گھبرا گئی۔"تم کیا جانتے ہو؟"

Akram Allahabadi

''ایک فلم پروڈیوسر کے پاس نوکری کرنے والی سرا کبر کی گم نام بیوی میک اپ کی ماہر ہوسکتی ہے، یہ تو سمجھ میں آنے والی بات ہے، لیکن ایک عورت محض ایک بڑی جائداد کا مالک اپنے بیٹے کو بنانے کے لیے اپنے شوہر کو خون کرسکتی ہے، یہ ذلالت آج ہی دیکھ رہا ہوں۔'' بالے نے اسے اشتعال دلانے کے لیے کہا۔

''شوہر؟ کیسا شوہر؟ مکاری سے نام بدل کر ایک غریب عوت کی عزت کا مذاق اڑانے والا اس کا شوہر ہوسکتا ہے۔ وہ بزدل انسان جو اپنی بیوی بچے کو فاقوں کی نوبت تک پہنچا کر خود لاکھوں کی جائداد کا مالک بنا زندگی کے مزے لوٹتا رہا۔ جس نے انھیں در کے کتے سمجھ کر بھی ان کی پرورش نہ کی۔ جو سماج کے سامنے اپنی جھوٹی عزت برقرار رکھنے کے لیے اپنی اولاد کو در بدر کی ٹھوکریں کھلاتا رہا۔ کاش میں اس کے گنہگار جسم کی بوٹیاں بوٹیاں کرسکتی۔'' وہ جوشِ جنوں میں اپنی مٹھیاں بھینچ کر چیخنے لگی۔ ''میرا لڑکا آج بھی اس کا جائز وارث ہے۔ میں ان سؤر کے پلوں کو جینے نہ دوں گی جو اس کی راہ میں حائل ہو رہے ہیں۔''

''تمہارا لڑکا کہاں ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم۔''

''تم سیدھی طرح نہ بتاؤ گی۔''

''نہیں، میں نہیں بتاؤں گی۔''

''اچھا تو میں خود ہی اس سے نپٹ لیتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ اسے گھسیٹتا ہوا باہر لے آیا۔ تمام لوگ اس عجیب منظر کو دیکھ کر چونک پڑے۔

سلیمہ کے بارے میں تو کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ وہ کوئی مشتبہ ہستی ہوسکتی ہے، مگر جب بالے نے اس کا منہ گرم پانی سے دھلوایا تو اس کی صورت ہی بدل گئی۔ بھرے ہوئے گالوں پر ادھیڑ عمر کی جھریاں نظر آنے لگیں۔ ویسے وہ ایک تن درست اور ضدی قسم کی عورت

تھی۔وہ کسی صورت میں اپنے بیٹے کے بارے میں ایک لفظ بتانے کو تیار نہیں ہوئی۔

بالے ابھی سلیمہ کے بارے میں شہوار اور خالہ جان کو بتا ہی رہا تھا کہ اچانک نہ جانے کہاں سے اچھلتا کودتا ٹرخانی آ پہنچا۔وسید ھا بالے کے کندھے پر آ بیٹھا۔

"پوچ...مائی ڈیئر کرنل زپاتا۔" بالے نے اسے چمکارا۔"تم کہاں چلے گئے تھے، سؤر۔"

"خوں...چپ۔" کرنل نے جواب میں اسے ڈانٹ دیا۔

"یہ تو آپ کا ٹرخانی..." شہوار نے مسکرا کر کہنا چاہا۔

"یہ تو اس پراسرار آدمی کے بہت سے نام ہیں۔"

"آدمی؟"

"کیوں، کیا آپ ڈارون کی تھیوری کی قائل نہیں؟" یہ کہہ کر بالے نے چمکارتے ہوئے اسے نیچے اتار لیا۔مگر جیسے ہی اس کی نظر بندر کے ہاتھ پر پڑی، وہ چونک پڑا۔اس کے پنجے میں دو تین بال لگے ہوئے تھے، کسی انسان کے بال۔جیسے اس کا پنجہ لگنے سے نچ کر رہ گئے ہوں۔بالے کو فوراً خیال آ گیا کہ وہ اس آسیبی حملہ آور کے سر پر کود کر سوار ہو گیا تھا۔وہ ان بالوں کو غور سے دیکھنے لگا۔ انکی جڑیں کالی اور اوپری حصے سفید تھے۔پھر جب اس نے انھیں گرم پانی میں ڈالا تو وہ پورے کالے ہو گئے۔

"جڑ کالی۔" بالے سوچنے لگا۔"یقیناً وہ سفیدی میک اپ کی تھی۔" یہ کہتا ہوا وہ ٹرخانی کو ایک طرف پھینک کر اس کمرے کی طرف دوڑا جہاں رؤف نے مانی کو بند کر دیا تھا۔اس کمرے کا دروازہ جب باہر سے کھولا گیا تو وہ اندر سے بھی بند نکلا۔بالے اور اس کے پیچھے سر اکبر کے کچھ نوکر دوڑتے ہوئے جب اس کمرے کی پشت پر پہنچے تو اس کا ایک پٹ شکنجوں سے اکھڑا پڑا تھا۔

"جائے گا کہاں، سالا۔" بالے بڑبڑایا اور تیزی سے مانی کی کوٹھری کی طرف

دوڑنے لگا۔

وہ ٹھیک اس وقت وہاں پہنچا جب ڈاکٹر رشید، شہزاد اور غزالہ مانی کے پستول کے نشانے میں تھے اور رؤف اپنا زخمی ہاتھ پکڑے کھڑا تھا۔ اس کا پستول نیچے گرا ہوا تھا۔

''میرا تمام کھیل بگڑ چکا ہے۔ اب میں تم میں سے ایک جو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔'' مانی ان پر گرج رہا تھا۔ لیکن خدا جانے اس وقت بالے کو کون سا مسخرہ پن سوجھا کہ وہ اچانک کمرے میں داخل ہوتے ہوئے زور سے بولا۔ ''اٹینشن۔''

اور اس اچانک آواز پر کسی سدھائے ہوئے جانور کی طرح آپ سے آپ مانی کا اٹھا ہوا ہاتھ نیچے جھک گیا اور وہ اٹینشن ہو گیا۔ یہ صرف ایک سیکنڈ کی بات تھی، لیکن رؤف کے لیے ایک سیکنڈ ہی کافی تھا۔ اس کا زخمی ہاتھ والا گھونسا ہی اس زور سے مانی کے جبڑے پر پڑا کہ وہ تیورا کر نیچے آ رہا۔ پھر رؤف اس کے سینے پر چڑھ گیا۔ غزالہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ بالے نے آگے بڑھ کر مانی کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔

''تمہاری معصومیت نے تو ہمیں بھی تذبذب میں ڈال دیا تھا، لیکن دعا دو ہمارے کرنل زپاٹا کو جس نے تمہارے کھچڑی بالوں کا بھید ادھیڑ دیا۔'' وہ بولا۔ مانی نے اس وقت کوئی جواب نہیں دیا۔

''تو کیا یہ...'' غزالہ نے کہنا چاہا۔

''ہاں، یہ آپ کا سوتیلا بھائی اور اس کی ماں بھی گرفتار ہو چکی ہے۔''

''ماں؟''

''آپ کی خادمہ، سلیمہ۔''

''سلیمہ؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ تو بہت اچھی لڑکی ہے۔'' غزالہ نے معصومیت سے کہا۔

''اس کی تصویر کا دوسرا رخ خود چل کر دیکھ لیجیے۔'' بالے نے کہا۔

Akram Allahabadi

''تو پھر وہ موت کی آواز؟'' غزالہ نے الجھے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''وہ تو بچوں کا کھیل تھا۔ ہمیں ان کی ہی تلاش تھی۔ مائک کاسٹ سلیمہ کے کمرے میں پلنگ کے نیچے ہی موجود ہے۔ وہ آواز اسی پر نشر کی جاتی تھی۔ اس کے کنیکشن کے تار بجلی کے تاروں کے ساتھ تمام کمروں میں پہنچا دیے گئے ہیں اور ان پر نشر کی جانے والی سلیمہ کی آواز چھتوں میں لگے ہوئے سیلنگ روز سے سنائی دیتی ہے۔''

''لیکن وہ آواز تو کسی اور کی...؟'' غزالہ نے کہنا چاہا۔

''وہ عورت جو فلمی دنیا میں رہ چکی ہو، کئی رنگ بدل سکتی ہے۔'' بالے نے بتایا۔

''لیکن ابا حضور سے شکار میں جو آدمی...؟'' بالے نے اس کی بات کاٹ دی۔

''وہ بھی اسی کی حرکت تھی اور کنویں میں پھینکی گئی بندوق پر نشانات بھی اسی کی انگلیوں کے ہیں۔'' بالے نے بتایا۔

دوسرے دن صبح جب بالے اور رؤف دونوں مجرموں کو لے کر شہر کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو خالہ جان بغیر داڑھی کے پیر صاحب کے مونچھوں کو گھور رہی تھیں۔ شہزاد اور شہوار اور ڈاکٹر رشید دروازے میں کھڑے مسکرا رہے تھے۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

Akram Allahabadi